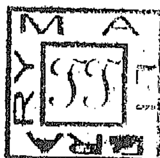
قدیم ہنر

و

ہنرمندانِ اودھ



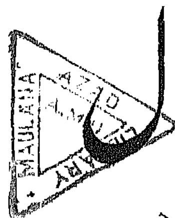
مصنّفہ

سیّد اسرار حسین خان

بارِ اوّل ۱۹۳۶ء



عرض حال




ایک مدت سے مین اودھ اور شاہان اودھ کے حالات کے متعلق کتابین اور کاغذات اور ہر طرح کی تاریخی چیزین جمع کر رہا ہون اور متعدد انگریزی اور اُردو مضامین شاہان اودھ وغیرہ پر لکھ کر مین نے شائع کیے جو ملک مین قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے میرا ارادہ تھا اور اب بھی ہے کہ اودھ کے متعلق جمع کیے ہوے ذخیرے اور معلومات کی مدد سے چند مبسوط اور نادر کتابین لکھون جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نئی چیز ہون مگر ابھی اس کے لیے اور بہت کچھ ذخیرے کی ضرورت ہے جس کی تلاش مین میری متجسس نگاہین ہمہ وقت مصروف ہین اس وقت یہ مختصر سا مجموعہ جو پبلک مین پیش کیا جاتا ہے اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے اور اودھ کے متعلق ایسی ترتیب کی کوئی

تصنیف و تالیف میری نظر سے نہین گذری جسمین یہان کے
مختلف فنون و صنائع سے بحث کی گئی ہو یا یہان کے اہل ہنر کے
کمالات ظاہر کیے گئے ہون اودھ کی فرمان روائی کا دور ممتاز الملک
نواب سعادت خان برہان الملک بہادر جنگ کے عہد
(۱۷۳۲ء) سے شروع ہوتا ہے اور سوا سو برس کے بعد
۱۸۵۶ء مین بعہد سلطان عالم واجد علیشاہ بہادر ختم ہوتا ہے
اس قلیل مدت مین اور باتون کو چھوڑ کر ہر قسم کی دستکاری فنون
رعایا کی مرفہ حالی۔ غلہ کی ارزانی اور تہذیب و تمدن کی شاندار
ترقی خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاہان اودھ نے اسمین
بہت بڑا حصہ لیا ورنہ یہ باتین خودرو درخت کی طرح خود بخود
زمین سے پیدا نہین ہو جاتین شاہان اودھ کے تدبر اور حسن انتظام
نے دنیا کو ایسا فائدہ پہونچایا کہ اہل نظر ہمیشہ یاد رکھین گے
اور یہ بات اور سلطنتون کو کئی صدیون مین بھی نصیب
نہین ہوئی اودھ کی سلطنت کا رقبہ اس سے کہین زیادہ تھا
جو عہد واجدی مین نظر آتا ہے اگر اتنی مدت تک رہنے والی اور
اتنے اونچی حدود مین وسعت رکھنے والی بادشاہت کے

ہر ایک ہنر اور ہر ایک ہنرمند کا تذکرہ لکھا جائے تو کتاب
ضخامت مین دوسری طلسم ہوشربا بنجائے لیکن اسکے لیے
بڑی فرصت اور بہت وسعت نظر درکار ہے اور اچھے خاصے
علمی ذخیرے کی ضرورت ہے مگر افسوس آج ان مین سے
ایک سامان بھی مہیا نہین اودھ کی آغوش سلطنت مین جتنے
ہنر اور ہنرمندون نے پرورش پائی اور جسقدر ہر فن مین جدت
طرازی اور ترقی ہوئی ان سب کا پتہ اور سراغ آج کسی کتاب
اور کسی کاغذ سے نہین لگتا ایسی حالت مین کوئی کیا دعوی کرسکتا
ہے اور کہان سے تلاش کرکے ہنرمندون کے کمال پر کچھ
لکھ سکتا ہے اس مجموعہ کی ترتیب کا شان نزول یہ ہی کہ لکھنؤ
مین مختلف صنعتون مختلف ہنرون کی نمائش ۵ دسمبر ۱۹۳۶ء
سے وکٹوریہ پارک اور اسکے قریب کی زمین پر ہونیوالی ہے
جسکے قرب و جوار کے مقامات مثلاً مفتی گنج تحسین گنج۔ نواز گنج
وغیرہ کبھی شاہان اودھ کے عہد مین بڑے بڑے کامل ہنرمندو
کے گہوارے تھے فلسفی خیال ایسے موقع پر خود بخود اسی قسم
کی باتون کی طرف یاد اور توجہ کی عنان پھیر دیتا ہے چنانچہ یہ

خیال گذرا کہ جلدی جلدی کچھ ادھر سے کچھ اُدھر سے جتنے بھی ہنر
اور ہنرمندون کے حالات مل سکین ایک مختصر سی کتاب مین
درج کردیئے جائین۔ مکرمی جناب شیخ ممتاز حسین صاحب
جونپوری اس بارے مین بہت مصر ہوے اور میرا ہاتھ بٹانے
اور میرے اگلے پچھلے مضامین سے ہنرمندون کے حالات
چھانٹنے اور بجائے ایک منشی کے خود لکھنے کے لیئے اس دھن
کے ساتھ آمادہ ہوگئے کہ انھون نے اپنا گھربار چھوڑ کر میرے
ہی غریب خانہ پر چند روز قیام فرمایا اور شب و روز مجھ سے
اس کی ترتیب کا کام لینے لگے یہانتک کہ مجھ سے کچھ بن نہ پڑا
اور مجھے ایک ہفتہ کے اندر اس کتاب کو مکمل کرنا ہی پڑا
یعنی ۷ ستمبر ۱۹۳۶ء سے اس کی ترتیب کا کام شروع ہوا اور
۱۴ ستمبر ۱۹۳۶ء کو ختم ہوا شیخ صاحب موصوف نے اپنے
رفیق کار جناب مولوی سید اطہر حسین صاحب جعفری کو بھی آمادہ
کیا اور جو کچھ مین بولتا گیا وہ وقتاً فوقتاً لکھتے گئے اس طرح وقت
کے پیچھے بھاگا بھاگ مین یہ چند اوراق اکٹھا ہوگئے اور وہ بھی
ایسے عالم مین کہ جون ۱۹۳۶ء سے ۳۰۔ اگست ۱۹۳۶ء تک

ن علیل رہا اور ترتیب کتاب کے وقت تک ضعف باقی تھا
ہل تصنیف جانتے ہیں کہ اس قسم کی کتاب اتنی قلیل مدت
ین اور پھر ایسے حالات کے ماتحت کہیں تیار ہو سکتی ہے
یکن میں نے اتنا ذخیرہ یادداشت اکٹھا کر لیا تھا کہ مجموعہ
رتب ہو گیا۔ بہت سے خاص ہنر چھوٹ گئے اور بہت سے
عاص خاص ہنرمندون کے کمال لکھنے سے رہ گئے وقت کی
الت کی وجہ سے اس کتاب کی ترتیب میں وہی سمان تھا
جلیسے غدر میں کوئی جلدی جلدی جو کچھ ہو سکے مال اسباب ساتھ
لے اور بہت کچھ یونہین خدا پر چھوڑ کر چل کھڑا ہو۔
مین جانتا ہون کہ یہ بہت نامکمل ذخیرہ ہے لیکن مرتا کیا نہ کرتا
ایسے وقت میں اس سے زیادہ ممکن نہ تھا کوئی صاحب یہ نہ
سمجھ لین کہ اس موضوع پر بس اتنا ہی لکھا جا سکتا ہے جتنا
اس ذخیرے میں ہے مین خود بھی ابھی بہت کچھ لکھ سکتا تھا
لیکن میں نے سُنی سُنائی غیر مستند معلومات سے اس کتاب کا پیٹ
بھرنا گناہ سمجھا اور صرف انھین باتون کو لکھا ہے جسکے لیے مجھے
کتابون میں سند ملی اور ان معتبر ذرائع سے کچھ ہنرمندون کے

حالات فراہم کیے جنکے متعلق چشم دید شہادتین ان لوگون کی بہم پہونچین جن پر مجھے مدت العمر سے اعتبار ہے مین نے مزید احتیاط کے لیے کتابون کے حوالے اور صفحات کے نشان بھی جا بجا اس کتاب مین دیدئے تاکہ کسی کو شک نہ باقی رہے۔

اس کتاب کے ماخذ :-

١ دربار اکبری مصنفۂ مولانا آزاد دہلوی نول کشور گیس پرنٹنگ پریس لاہور سنہ ۱۹ء۔

٢ حضرت رشید مولفہ سید آغا شہر لکھنوی اصح المطابع تھوئی ٹولہ لکھنو سنہ ۱۹۲۲ء

٣ حیات مولانا کرامت حسین مولفہٗ حامد علیخان بیرسٹر ایٹ لا مطبع الناظر و نور المطابع نخاس لکھنؤ۔

٤ تذکرۂ مشاہیر کاکوری مولفہ مولوی حافظ محمد علی حیدر صاحب علوی اصح المطابع وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سنہ ۱۹۲۷ء

٥ تاریخ دریاباد مولفۂ منشی بُجھن لال صاحب نامی پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۲۵ء بار اوّل۔

٦ شباب لکھنؤ مولفہ احمد علی صاحب کاکوروی الناظر پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۲ء

٧ ایجاد اکبری یعنی رسالہ پیرائی مصنفہ مرزا اکبر حسین پیراک

تصویر عالم پریس ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ۔

۸ سوانح اسلاف مصنفہ منشی ولایت علیخان صاحب ادبی پریس لکھنؤ۔

۹ مضامین شرر ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ یعنی گذشتہ لکھنؤ مرکنٹائل پریس لاہور۔

۱۰ چمنستان مظفر مصنفہ مولوی محمد مظفر حسین خان سلیمانی مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ سنہ ۱۹۲۷ء

۱۱ آب حیات مصنفہ مولانا آزاد دہلوی اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ایڈیشن نہم۔

۱۲ تذکرہ کاملان رامپور مولفۂ حافظ احمد علیخان شوق رامپوری ہمدرد پریس کوچۂ چیلان دلی سنہ ۱۹۲۹ء بار اوّل۔

۱۳ سوانح عمری مولوی سید مظہر علی صاحب کوئن پریس سندیلہ

۱۴ فسانہ عجائب مصنفہ رجب علی بیگ سرور مطبع مسیحائی۔

۱۵ شمس التواریخ جلد دوم مصنفہ حکیم نواب علیخان مطبع رائے صاحب منشی گلاب سنگھ لکھنؤ سنہ ۱۸۹۸ء

۱۶ حیات ابدی مصنفہ حافظ مولوی حکیم محمد یوسف رسولوی مطبع فخر المطابع لکھنؤ بلوچپورہ سنہ ۱۹۱۷ء

۱۷ ملاذ الکلمات مؤلفۂ واجد علیشاہ مطبع سلطانی۔
۱۸ لائف علامۂ کنتوری جلد اوّل خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور۔
۱۹ تاریخ اجودھیا مصنفۂ راجہ درگا پرشاد صاحب نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۰۲ء
۲۰ فہرست کارخانۂ قلمہاے انبہ بڑا باغ مطبوعۂ میتھوڈسٹ پبلشنگ ہوس لکھنؤ۔
۲۱ طلسم ہند مصنفۂ منشی طوطارام شایان مطبع نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۸۷۲ء
۲۲ سوانحعمری مہاراج ڈگبجے سنگھ مسمیٰ بہ احسن التواریخ مصنفۂ سید آغا حسن مطبع جنگ بہادری بلرامپور۔
۲۳ قیصر التواریخ جلد اوّل مصنفۂ سید کمال الدین حیدر نولکشور پریس
۲۴ الفیض الجاری تتمۂ کشف المتواری مؤلفۂ منشی عبدالعلی صاحب مطبع شام اودھ لکھنؤ سنہ ۱۹۱۰ء
۲۵ تاریخ ادب اردو کا اردو ترجمہ مطبع نولکشور لکھنؤ۔
۲۶ تاریخ فرخ آباد نوابان بنگش مولفہ مسٹر اروِن کا اردو ترجمہ حصہ اوّل مطبع حسنی فتح گڈھ سنہ ۱۸۸۷ء
۲۷ آثار یادگار مولفۂ محمد امام علیخان بھٹسوا منو تصنیف عالم پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۰۲ء

۲۸ فسانۂ عبرت مصنفۂ رجب علی بیگ سرور مطبع نجم العلوم کارنامۂ لکھنؤ۔

۲۹ کنز التاریخ مؤلفۂ محمد رضی الدین صاحب بسمل۔

۳۰ نامۂ مظفری مؤلفۂ منشی محمد مظفر حسین خان سلیمانی مطبع مجتبائی لکھنؤ ۱۹۱۷ء

۳۱ حیات دبیر جلد اوّل مؤلفۂ سید افضل حسین صاحب سیلوک اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۳ء

۳۲ تاریخ گڑھ مانک پور مؤلفۂ منشی عبداللہ خان علوی قیصر ہند پریس الہ آباد ۱۹۱۶ء بار اوّل۔

۳۳ مرقع اودھ مؤلفۂ محمد احد علی صاحب کاکوروی الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۱۲ء

۳۴ تاریخ اودھ ۵ جلد مؤلفۂ حکیم محمد نجم الغنی خان رامپوری مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۹ء دوسرا ایڈیشن۔

۳۵ تاریخ بنارس جلد اوّل مصنفۂ سید مظہر حسن صاحب کوروی سلیمانی پریس بنارس ۱۹۱۶ء بار اول

۳۶ تاریخ شاہ جہان پور مؤلفۂ مولوی محمد صبیح الدین میاں نامی پریس

لکھنؤ ۱۹۳۲ء بار اوّل

۳۷ یادگار محسن مؤلفہ شبیر حسن محسن فوٹوگرافر مطلع العلوم پریس مراد آباد ۱۹۰۵ء بار اوّل

۳۸ نقش سلیمان مصنّفہ نواب محمد سلیمان خان اسد لکھنوی مطبع محمدی دربار ٹونک۔

۳۹ حیاتِ حافظ رحمت خان مؤلفہ سید الطاف علی علیگ بریلوی نظامی پریس بدایون ۱۹۳۳ء بار اوّل۔

۴۰ واقعات انیس مصنّفہ سید مہدی حسین صاحب احسن فخر المطابع لکھنؤ

۴۱ صحیفۂ زرّین نول کشور پریس لکھنؤ۔

۴۲ اخبار الصنادید جلد دوم مصنّفہ مولوی نجم الغنی خان رامپوری مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۸ء

۴۳ تاریخ سندیلہ مصنّفہ راجہ درگا پرشاد صاحب کارونیشن پریس حسن گنج لکھنؤ۔

۴۴ تاریخ بے بہا فی تاریخ العلما مؤلفہ مولانا سید محمد حسین صاحب نوگانوی کاظم بک ڈپو گلی باغ بھکاری (گندہ نالہ) دلی۔

۴۵ ذخیرۂ جنگ بہادری مؤلفہ سید آقا حسن مہاراجہ ڈگیجے سنگھ

ع حسنی میں ۱۸۷۰ء میں چھپی۔

ئین اختر عرف ظفر نامہ اودھ پریس یحییٰ گنج لکھنؤ ۱۹۱۲ء بار دوم

۱۲۷۰ء مطبع نولکشور رقیمہ پنڈت کنھیا لال صاحب

لتواریخ مصنفہ خواجہ محمد بشیر ابن سید شاہ نظام الدین احمد

بلی۔

ج بلرامپور مصنفہ ٹھاکر راج اندر بہادر سنگھ مطبع نولکشور

۱۹۰۹ء

سخن مصنفہ سید محسن علی موسوی مطبع نولکشور لکھنؤ۔

الاطبا جلد دوم

ن آودھ مصنفہ راجہ درگا پرشاد صاحب سندیلوی

وبدبۂ احمدی لکھنؤ ۱۸۹۲ء بار دوم

ین چکبست انڈین پریس الہ آباد ۱۹۲۷ء

ر مرتبۂ مولوی عبدالحق صاحب علیگ انجمن اردو پریس

آباد دکن ۱۹۲۸ء

التواریخ مولفہ منشی رام سہائے تمنا مطبع تمنائی لکھنؤ

رزاقیہ از محمد الطاف الرحمٰن صاحب قدوائی مطبع

اشاعت العلوم لکھنؤ

۵۷ تذکرۂ آب بقا مؤلفۂ خواجہ عبدالرؤف عشرت نامی پریس لکھنؤ

۵۸ ریاض القلوب مصنفۂ واجد علیشاہ مطبع سلطانی ٹیا برج کلکتہ

۵۹ کتاب بنی مصنفۂ 〃 〃 〃

۶۰ فرہنگ مجموعۂ سخن حصہ دوم مرتبۂ پنڈت شیو نرائن صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع لکھنؤ سنہ ۱۸۷۲ء مطبع نولکشور دوسرا ایڈیشن

۶۱ یادگار ذہیں مولفۂ مولوی امیر احمد صاحب علوی انوار المطابع لکھنؤ سنہ ۱۳۴۴ھ

۶۲ گل رعنا از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مطبع معارف اعظم گڈھ سنہ ۱۳۵۳ھ طبع ثانی

۶۳ حیات ذہیں مولفہ سید امجد علی صاحب اشہری مطبع آگرہ اخبار

۶۴ گلدستۂ سوددی مؤلفۂ حاجی شریف الحسن صاحب مطبع اشاعۃ العلوم فرنگی محل لکھنؤ بار اول۔

۶۵ ہندو شعرا مولفہ خواجہ عشرت صاحب نامی پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۳۱ء بار اول۔

۶۶ گنجینۂ سلیمانی مصنفہ مولوی مظفر حسین خان سلیمانی مسلم

یونیورسٹی پریس علی گڈھ سنہ ۱۳۴۶ھ

۶۷ شام اودھ جلد اوّل و دوم مترجمہ منشی گلاب رائے صاحب مطبع بلرامپور۔

۶۸ تاریخ قیصری مصنفہ نواب ضیغم الدولہ بہادر مطبع مظہر العجائب لکھنؤ سنہ ۱۳۰۸ھ

۶۹ مثنوی عالم مصنفہ نواب عالم آرا بیگم شہر کلکتہ مطبوعہ در سنہ ۱۲۸۳ھ

۷۰ نتائج الذہن و فیضان الفکر مصنفہ کپتان مقبول الدولہ مہدی علیخان مطبع سلطانی لکھنؤ۔

۷۱ مثنوی میر حسن سنہ ۱۳۲۱ھ مطبع نامی لکھنؤ بار دوم

72. The Masnad of Murshidabad (1704-1904) compiled by P. C. Majumdar Printed at the Kuntaline Press Calcutta.

73. The First two Nawabs of Oudh by Ashirbadi Lal Srivastava M.A. Phd. Professor, Maharana's college, Udaipur. Published by the Upper India

Publishing House, Ltd, Literature Palace, Aminuddaula Park Lucknow. 1933.

The Tourist's Guide to Lucknow 1911. ٤٢ by E. H. Hilton. 7th edition Printed by E. H. C. Powell, at the London Printing Press Lucknow.

Lucknow The Garden of India [٤٥ Published by G. W. Lawrie. & Co. Printed by K. D. Seth at the Newal Kishore Press Lucknow.

The Oriental Biographical [٤٤ Dictionary by T. W. Beale.

Printed by.

J. W. Thomas

Baptist Mission Press

CALCUTTA. 1881.

آخر مین یہ حسرت ظاہر کیئے بغیر مین اس تحریر کو ختم نہین کر سکتا
کہ جیسا دل چاہتا تھا ویسا یہ مجموعہ مکمل نہ ہو سکا اور یہ محض اگلے
باکمالون مین سے چند ہنر مندون کے بعض بعض ہنرون کے
ذکر کا مجموعہ ہے اور اس سے زیادہ نہین مین نے اس کتاب
کی ترتیب مین یہ التزام رکھا ہے کہ ہنر کو چار قسم پہ تقسیم کر دیا ہے

عِلمی فنون اس مین فنون لطیفہ اور ان ہنرون کو رکھا ہے
جنکا تعلق علم سے بھی ہے مثلاً خطاطی مصوری
موسیقی۔ شاعری۔ طب وغیرہ۔

عملی فنون اس مین اُن ہنر اور ہنر مندون کو رکھا ہے جنکا
تعلق عملی قوت سے ہے مثلاً پہلوانی شہ زوری
بانک۔ بنوٹ۔ پیراکی وغیرہ۔

تجارتی فنون اس مین اُن فنون اور پیشہ ورون کے
کمالات کو ظاہر کیا ہے جنکا تعلق تجارتی
اور معاشرتی زندگی سے ہے مثلاً خیاطی۔ نکاولی۔ سناری
رنگ ریزی وغیرہ اسی مین اُن چھوٹی چھوٹی صنعتون اور
ہنر مندون کا بھی اجمالاً ذکر آگیا ہے جنکا تعلق روزمرہ کی

مدگی کے بعض ضروریات سے ہے مثلاً رفوگری شمعین بنانا
بناگو۔ تیل۔ جوتا۔ ٹوپی بنانا وغیرہ۔

تفریحی فنون اس مین اُن ہنر اور ہنرمندون کا ذکر ہے جو بلحاظ کمال کے حیرت انگیز ہین اور وہ محض
تفنن طبع اور تفریح کے لیئے مشہور ہین مثلاً جانورون کا لڑانا
پان کی گلوری مخصوص کمال کے ساتھ بنانا۔ شطرنج کھیلنا
کبوتر اڑانا وغیرہ اس مختصر کتاب مین اکثر باکمالون کے ہنراور
کمال کا حال دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اعجاز ہے مگر حقیقتاً
یہ ہنر کے انتہائی عروج کمال کی حد ہے اس وجہ سے زمانہ
سے ہمکو شکایت ہے اور بجا شکایت ہے کہ اُسنے اودھ کے
باکمالون کے ہنر کے ساتھ اسکا نام بھی مٹا دیا۔

سید اسرار حسین خان

تحسین گنج لکھنؤ



سید اسرار حسین خان مصنّف کتاب ھذا

علمی فنون

خطاطی

جناب مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی لکھتے ہین کہ علوم ہی سے وابستہ کتابت اور تحریر کے فن ہین آغا عبدالرشید دیلمی کے دو شاگرد حافظ نوراللہ اور قاضی نعمت اللہ وارد لکھنو ہوے اور کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بیگ نامے تیسرے شاگرد بھی لکھنؤ آئے ان حضرات کی آمد کا زمانہ غالباً نواب آصف الدولہ بہادر کا عہد تھا قاضی نعمت اللہ شہزادون کی اصلاح پر مامور ہوئے اور حافظ نوراللہ کا تعلق دربار اودھ سے ہوگیا عہد شاہی مین امرا اور شوقین لوگ اپنے مکانون کو

بجائے تصویرون کے قطعات سے آراستہ کیا کرتے تھے جسکی
وجہ سے اس فن کو بہت فروغ ہوا اور شاہان اودھ کی قدردانی
سے صدہا باکمال خوشنویس دور دور سے کھنچ کر لکھنؤ مین جمع ہوگئے
تھے دور دراز شہرون مین یہان کے خوشنویسون کے کتبے
اور اس شہر کی عمارات قدیم پر اودھ کے خوشنویسون کے
لکھے ہوے پتھر ابتک اُن کے کمال کی یادگار ہین۔
نواب یمین الدولہ سعادت علی خان بہادر خط شکست کے
کامل خوشنویس تھے عہد آصفی مین حافظ نوراللہ اور اُن کے
بیٹے حافظ ابراہیم ایسے بیمثل خطاط گذرے ہین جنکا جواب نہ
اُس وقت تھا نہ آج ہے۔ خربزہ کے بیج پر لکھنا چاولون پر
قل ہو اللہ چنے کی دال پر سورۂ فاتحہ لکھنے والے صدہا خوشنویس
تھے امام باڑہ حسین آباد پر طغرے عہد محمد علیشاہ کے خوشنویسون
کے کمال اور تال کٹورہ اور عیش باغ کی کربلا اور مزارون پر
خط ثلث کے کتبے اس فن کے انتہائی عروج پر ہونے کی دلیل
ہین بلکہ عہد شاہی کی زندہ تاریخین ہین صدہا خوشنویسون کی لکھی
ہوئی کتابین جابجا موجود ہین چنانچہ ایک شاہ نامہ

اور ایک شاہ جہان نامہ مُطلّا اور مذہب اعلےٰ درجہ کے خوشنویسون کے لکھے ہوئے لندن کے کتب خانہ مین بھیجے گئے (تاریخ اودھ جلد ۳) یہی کمال ہے جسکو مٹتے مٹتے بھی چھاپہ خانہ کے خوشنویسون نے سنبھال لیا اور آج لکھنؤ کا بڑا حِصّہ چھاپہ خانہ کی کتابت پر زندگی بسر کرکے دنیا کو سبق دیتا ہے کہ اِس فن کی اگر قدردانی فرما کر شاہان اودھ نے اسکو باقی نہ رکھا ہوتا تو آج مطابع کی ترقی کے زمانہ مین جیسے کاتب لکھنؤ مین ملتے ہین اور دوسری جگہ نہین ملتے اور یہ اتنا جو کچھ بھی فن باقی رہ گیا اور حسن خط کی وجہ سے جو کچھ اس تجارت اور پیشہ مین چار چاند لگے ان کا سہرا شاہان اودھ کی قدردانی کا ادنیٰ کرشمہ ہے موجودہ خوشنویسون کی تحصیل خطاطی کا سلسلہ جاکر عہد آصفی کے درباری خوشنویس حافظ نوراللہ پر ختم ہوتا ہے جنکے ہاتھ کے کتبے عہد آصفی کی بڑی مسجد پر باقی ہین جو امام باڑہ آصف الدولہ مین ہے اور اُسکے سامنے کے کنوین کی جگت کے پتھر پر کتبہ بھی انھین حافظ نوراللہ کے زور قلم کا تاریخی ثبوت ہے۔

خوشنویسی

عطا حسین خان اٹاوہ کے رہنے والے عہد شجاع الدولہ مین گذرے ہین خط شکست کے کامل استاد تھے (تاریخ اودھ جلد ۳ صفحہ ۲۷۱)

شیخ غلام رضا معروف بہ رضا علیخان کاکوروی فارسی عبارت خوب لکھتے تھے خط بھی نہایت پاکیزہ تھا علی الخصوص قاسم علیخان کی جنگ کے حالات جو مرشدآباد مین انگریزون سے ہوئی تھی نہایت ہی برجستہ اور عمدہ طرز سے لکھے تھے نواب شجاع الدولہ نے اسے بہت پسند کیا تھا شیخ موصوف فن سپہ گری مین بھی بےنظیر تھے (تذکرہ مشاہیر کاکوروی صفحہ ۱۷۳)

منشی غلام مرتضےٰ کا حافظہ بہت قوی تھا کتابت مین اسقدر تیزدست تھے کہ ایک مرتبہ خان آرزو شاہجہان آباد سے عظیم آباد جاتے ہوے لکھنو مین ٹھہرے

سراج اللغت انھوں نے اسی زمانہ میں لکھی تھی جو تقریباً بیس جزو کی
تھی یہ ان سے دیکھنے کو لائے اور رات بھر میں نقل کر لی (مشاہیر
کاکوری صفحہ ۳۰۵)

حافظ نور اللہ عہد آصفی و عہد سعادتی کے کامل خوشنویس تھے
ان کی معمولی مشق بازاروں میں عہ، فی حرف
کے حساب سے ہاتھوں ہاتھ بک جاتی تھی گلستان کے
سات باب نواب یمین الدولہ کی فرمائش پر تحریر کر کے مر گئے
ان کا کتبہ ان کے بیٹے حافظ ابراہیم خوشنویس نے پورا کر دیا
نستعلیق میں باپ کے قدم بہ قدم تھے (ہندوستان میں مشرقی
تمدن کا آخری نمونہ) حافظ نور اللہ نے تحفۂ آصفیہ بخط نستعلیق
نواب آصف الدولہ کے لئے لکھی تھی یہ کتاب پبلک
لائبریری مرشد آباد میں ہے (دی مسند آف مرشد آباد صفحہ ۱۸۸)

یحییٰ خان و فتحیاب خان عہد آصفی کے مشہور خوشنویس تھے۔

نواب وزیر علیخان آصف الدولہ کے لے پالک تھے۔
مرزا محمد علی اعجاز رقم کے شاگرد تھے

جو خط نستعلیق کے مشہور کامل گذرے ہین۔

عہد صفوی سے عہد نصیری تک زندہ رہے

حافظ ابراہیم یہ اُستاد زمانہ عہد صفوی کے خوشنویس حافظ نوراللہ کے بیٹے اور اپنے باپ کے شاگرد تھے نستعلیق ایسا لکھا کہ پھر ان کا جواب دینے والا کوئی پیدا نہ ہوا حافظ ابراہیم نے محتشم کاشی کا مشہور مرثیہ بڑے اہتمام سے لکھکر آغا میر وزیر اعظم کی خدمت مین پیش کیا تھا جو خطاطی کے نمونہ کا اعجاز ہے یہ مرثیہ میرے کرم فرما شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری کے پاس ہے جسکا نمونہ بذریعۂ بلاک سامنے کے صفحہ پر اظہار کمال کے ثبوت مین پیش کیا جاتا ہے حافظ ابراہیم کا ایک کمال مشہور ہے کہ حافظ نوراللہ نے نواب یمین الدولہ کی فرمائش سے ایک گلستان لکھی تھی جس کا ایک آخری باب تمام نہ ہوا تھا کہ حافظ نوراللہ کا انتقال ہو گیا نواب یمین الدولہ کی فرمایش اس بقیہ باب کی کتابت کے لیئے اُن کے بیٹے حافظ ابراہیم سے ہوئی انھون نے اپنے باپ کی شان خط مین لکھ کر ایسا ملا دیا کہ ماہرین فن بھی نہ پہچان سکے۔

گر خوانمش قیامت دنیا بعید نیست

این رستخیز عام که نامش محرم است

این صبح تیره باز دمید از کجا کزو

کار جهان و خلق جهان جمله درهم است

جن و ملک بر آدمیان نوحه میکنند

گویا عزای اشرف اولاد آدم است

خورشید آسمان و زمین نور مشرقین

پرورده کنار رسول خدا حسین

منشی عبدالستار سندیلوی عہد آصفی کے کامل خوشنویس تھے مہاراجہ ٹکیت رائے دیوان سلطنت اودھ کے یہاں ملازم تھے قریب کاکوری پُل بنیہ جو مہاراجہ موصوف نے بنوایا تھا اس پر اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ سنگ مرمر پر کندہ ہے۔

محمد علی عہد آصفی کے باکمال خط نستعلیق کے خوشنویس تھے (گذشتہ لکھنو صفحہ ۱۱۶)

سرب سکھ لال کشمیری یا کایستھ تھے حافظ نوراللہ کے شاگرد تھے تمام ہنود اور اکثر مسلمانون مین ان سے بہتر نستعلیق لکھنے والا عہد آصفی مین کوئی نہ تھا۔

محمد عباس عہد آصفی مین حافظ نوراللہ کے شاگرد تھے اور باکمال خوشنویس تھے۔

میر احمد حسین حسن الحسینی ولد میر سید علی لکھنوی نیشاپوری ایسے کامل خوشنویس تھے کہ میر عماد کے کتبون مین خط ملا دیا لارڈ منٹو بہادر ویسرائے نے اُنکے ہاتھ کی جلی تحریر ا میولہ مین دیکھ کر کہا کہ یہ قلم کی تحریر نہین ہے اُنھون نے موصوف کے

سامنے لکھ کر مطمئن کر دیا (تذکرہ کاملان رامپور صفحہ ۱۲)

شیخ رحیم الدین خط نستعلیق مین کامل تھے گلستان ایک رات دن مین لکھی وہ کتاب محررہ ۱۲۱۷ھ موجود ہے (شمس التواریخ جلد دوم صفحہ ۱۷)

مولوی محمد رشید فتحپوری نستعلیق و نسخ کے کامل لکھنؤ کے ایک خوشنویس کے شاگرد تھے خط غبار و گلزار و شفیعہ سے ماہر چنے کی دال پر پورا سورہ قل ہو اللہ مع بسم اللہ بخط واضح لکھتے تھے (حیات ابدی صفحہ ۱۵)

مولوی ہادی علی لکھنوی کامل طغرا نگار تھے ان کے ہمعصر نسخ کے خوشنویس میر بندہ علی مرتعش تھے۔ بیڑی اور حلوا سوہن بنانے مین غیر معمولی کمال رکھتے تھے اس کی ٹکیون پر عجیب عجیب قسم کے طغرے بناتے تھے میر ہادی علی نسخ مین کالپی کے ایک خوشنویس کے شاگرد تھے اور نستعلیق مین حافظ ابراہیم کے شاگرد تھے (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۲۲۱)

سید علی مرزا نواب معتمد الدولہ آغا میر کے چچا زاد بھائی تھے خط نسخ مین کامل اور عہد غازی الدین حیدر کے

بہترین خطاط تھے ایک بار پورا سورۂ یسین لکھ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا اور خاطر خواہ صلہ ملا تھا ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا پورا قرآن شریف پیارے صاحب رشید کے پاس تھا (حضرت رشید صفحہ ۱۵)

رونق علیخان صفی پوری عہد نواب یمین الدولہ میں انکے سر دفتر تھے حاجی حیات علی دہلوی کے شاگرد تھے جو خط شکست کے کامل تھے گلستان خط شکست میں اُن کی لکھی ہوئی قابل دید تھی غدر میں تلف ہوگئی (سوانح اسلاف صفحہ ۱۹)

حاجی حافظ ہادی علی بنارسی نے تحصیل علم لکھنؤ میں کیا قصبۂ کاکوری میں دفن ہیں ہفت قلم تھے ۱۲۳۴ھ سے مستقل قیام لکھنؤ میں تھا آخر میں نابینا ہوگئے تھے اُنھوں نے مولانا شاہ تراب علی قلندر کی مسہری کے لیے ایک چھت کپڑے کی بنوائی اور اسپر بجائے مداخل کے سورۂ آیۃ الکرسی بخط نسخ لکھی اور اُسکے درمیان میں سورۂ اخلاص کا طغرا لکھا۔ نابینائی کے عالم میں یہ کمال تھا کہ اس چادر کے لکھنے

وقت حافظ عزیز حسن صاحب موجود تھے جنکا یہ قول ہے کہ حاجی صاحب نے ان سے کہدیا تھا کہ جہان سے حرف لکھوانا ہو وہان میرا ہاتھ رکھدو چنانچہ حافظ موصوف ہاتھ رکھدیتے تھے اور یہ لکھتے جاتے تھے چنانچہ وہ چھت اتبک کاکوری مین موجود ہے (مشاہیر کاکوری صفحۂ ۴۸۱)

نواب ملکہ جہان محمد علی شاہ کی ملکہ خط نسخ مین باکمال تھین انھون نے اپنے ہاتھ سے جناب سیّدہ صلواۃ اللہ علیہا کی سوانحمری دو ڈھائی سو صفحہ کی لکھی تھی یہ کتاب اُن کے حقیقی پروتے نواب عابد مرزا صاحب کے پاس تھی ملکہ جہان نے پورا قرآن شریف اپنے ہاتھ سے لکھا تھا جسکے پندرہ پارے امام حسین علیہ السلام کے روضہ پر چڑھا دئے اور پندرہ پارے حضرت علی علیہ السلام یا امام رضائے غریب کے روضہ پر چڑھا دئے ملکہ جہان نے فن خوشنویسی مسماۃ جلینا بیگم خوشنویسہ زوجۂ محمد علی خوشنویس سے سیکھا تھا

حُسام الدولہ فقیر محمد خان عہد شاہی مین گذرے دستخطی صاد ایسے بناتے تھے کہ دس

ہزار روپیہ کے انعام پر بھی اُن کی طرح کوئی نہ بنا سکا (نامہ مظفری صفحہ ۷۷)

ایک بےمثل خطاط ۲۴ + ۱۲- انچ کا ایک قرآن شاہی خوشنویس نے نصیرالدین حیدر کے لیئے لکھا تھا جسکی قیمت تیس ہزار روپیہ تھی یہ قرآن وکٹوریہ میموریل کلکتہ مین موجود ہے (دی مسند آف مرشدآباد صفحہ ۸۲)

امیراللہ تسلیم سندیلہ کے خوشنویس منشی عبدالحی کے شاگرد اور نستعلیق مین کامل تھے۔ عہد واجدی مین فوج مین ملازم تھے جب پلٹن توڑی گئی اور یہ بیکار ہوئے تو بادشاہ کو عرضی دی اسپر بادشاہ نے یہ حکم لکھا کہ

بشنواے خوشنویس واے خوشگو ہر دو فن میکنی و ہر دو نکو

اسم تو مندرج بدفتر شد بست و دہ روپیہ مقرر شد

نواب یمین الدولہ نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے۔ خط شکست کے بےمثل استاد تھے۔

لالہ جیسکھ رائے عہد امجدی کے خوشنویس تھے مقبول تخلص تھا۔ سلطانی فرمان نویس تھے۔

(طلسم ہند)

یحییٰ علیخان عہد امجدی میں تھے خط شکست کفایت خانی کے اُستاد تھے شاعر بھی تھے (سوانح اسلاف صفحہ ۴۴)

ثابت علیخان عہد امجدی میں خط شکست کے کامل اُستاد تھے۔

غلام محمد خان اُستاد زمانہ تھے شبیہ کشی میں اتنے کامل کہ نقل کو اصل کر دکھاتے تھے ناخن نویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے (سوانح عمری مہاراجہ ڈگبجے سنگھ صفحہ ۴۹)

مانی رقم خان عہد امجدی میں گذرے اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے پرنس سلیمان قدر محمد حسن علی بہادر کو خوشنویسی سکھانے کے لیے مقرر تھے۔

عاشق علی و محبوب علی یہ دونوں خط نسخ اور طغرا خوب لکھتے تھے لکھنو کے کاملین فن کے شاگرد تھے (تاریخ دریاآباد)

لالہ سندر لال خط گلزار اور نستعلیق لکھنے میں کامل تھے

لکھنؤ مین اس فن کی تعلیم پائی تھی نواب امین الدولہ بہادر وزیر اعظم
کے ملازم تھے۔

لالہ شنکر سہائے دریاآبادی ہفت قلم فن خوشنویسی کے بہت بڑے ماہر
تھے لکھنؤ مین اس فن کی تعلیم پائی تھی ہر صنف خوشنویسی پر قادر
تھے مگر خط گلزار اور خط نستعلیق مین خاص طور پر شہرت حاصل
تھی یہ لالہ درباری لال صاحب چکلہ دار شاہی کے فرزند نجم
تھے۔ نصیر الدین حیدر کے دیوان جیب خاص تھے۔

رئیس الدولہ عہد واجدی مین چھاپہ خانہ کے ناظم اور
خوشنویسون کے افسر اعلےٰ تھے۔

منشی عبدالحی سندیلوی یہ یکتائے روزگار خوشنویس
عہد واجدی مین گذرے ہین یہ منشی عبدالستار
سندیلوی خوشنویس کے بیٹے تھے یہ واجدی دربار مین ملازم تھے
بعد انتزاع سلطنت ٹیابرج مین جا کر رہے اور وہین عمر ختم
کی ان کے بیٹے منشی عبدالعلی اپنے والد کی جگہ پر مقرر ہوئے
جنکے صاحبزادے منشی عبدالحق صاحب جج اور منشی عبدالسمیع کلکٹر پنشنر

ابھی زندہ ہین (تاریخ سندیلہ صفحہ ۳۰۳)

مولوی محمد علی کاکوروی بہت قابل اور اچھے خوشنویس تھے خط نسخ و نستعلیق اُن کا بیحد پاکیزہ تھا متعدد کلام مجید و دلائل الخیرات اور بہت سی کتابین اُن کی لکھی ہوئی موجود ہین فن خوشنویسی مین اُن کے متعدد شاگرد تھے (مشاہیر کاکوری صفحہ ۴۲۴)

مولوی عبد الحکیم اعلےٰ درجہ کے خوشنویس تھے ان کے لکھے ہوئے کتبے بہت موجود ہین مولوی مہدی علی صاحب کے اُستاد تھے۔

میر بندہ علی مرتعش شاہی زمانہ کے خوشنویس تھے اُنکے ہاتھ مین رعشہ تھا خط نسخ کے بڑے کامل اُستاد تھے جب قلم ہاتھ مین لیتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ لوہے کی طرح ہاتھ سختی سے جم گیا ہے اُن کی نظر خط کے پہچاننے مین ایسا کمال رکھتی تھی کہ بڑے بڑے ان کا لوہا مانتے تھے۔

منشی عبد المجید سرکار شاہی مین احکام شاہی اور سرچہ و پیام یعنی مراسلت فی مابین دولت انگلیشیہ

و دولت آودھ لکھنے پر مامور تھے حافظ ابراہیم کے شاگرد تھے۔

حافظ ابراہیم کے بیٹے اور شاگرد تھے
حافظ سعید الدین نستعلیق کے باکمال استاد تھے۔

خط نسخ کے نہایت لاجواب خوشنویس
سیّد احمد طباطبائی تھے قرآن شریف لکھا کرتے تھے

سید صاحب نے لکھنو مین انتقال کیا اور مقبرہ اُن کا راج گھاٹ مین دریائے گومتی پر تعمیر ہوا چنانچہ وہ مزار پاک ان کا مرجع ارباب حاجت کا تھا پھول اور چراغ اہل غرض لا کر روشن کرتے تھے (طلسم ہند صفحہ ۲۸۸ - ۲۸۹ -)

مصوّری

مرزا غلام حسین عہد غازی الدین حیدر مین عدالت دیوانی و فوجداری کے خدمات پر مامور تھے لاجواب تصویر کھینچتے تھے۔

مسٹر ہوم عہد غازی الدین حیدر کا انگریز مصور تھا تصویر کشی کے فن مین کامل تھا۔

ایک باکمال مصور غازی الدین حیدر کے عہد مین ایک مصوّر نے ان کی ایسی تصویر کھینچی تھی کہ پادری بشپ ہیبر نے فرمایا کہ اگر یہ مصوّر ولایت مین ہوتا تو وہان بڑا نام پیدا کرتا اس مصوّر کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

مسٹر مانٹر جرمنی کا رہنے والا عہد نصیری کا کامل مصوّر تھا۔

لالہ درگا پرشاد دریاآبادی عہد امجدی مین اعلے درجہ کے مصوّر تھے مذہبی تصویر بنانے مین

خاص طور پر مشہور تھے تمام عمر لکھنؤ مین رہے اور یہین وفات پائی
مہاراجہ بال کشن اِن کے بڑے قدردان تھے۔

میر محمد علی لکھنوی عہد واجدی کے کاملین سے تھا میر انیس کے مجلس پڑھنے کا ایک
مُرقع اسی محمد علی جیسے باکمال مصوّر سے داروغہ محمد خان نے تیار
کرایا تھا یہ مرقع میر محمد علی نے بڑی جانکاہی سے کھینچا تھا منبر کے
داہنی جانب جناب احسن لکھنوی کے والد کھڑے ہین اور میر صاحب
کے ہاتھ مین جو مرثیہ ہے اُسپر یہ مصرعہ لکھا ہے ع برہم ہے
مُرقع چمنستانِ جہان کا (واقعات انیس صفحہ ۲۹) کاغذ اور ہاتھی دانت
پر ان کی کھینچی ہوئی تصویرین راقم حروف کے پاس موجود ہین۔

کاشی رام عہد واجدی کا یکتائے روزگار مصوّر تھا۔

مصوّر الدولہ لکھنوی مٹیا برج مین واجد علی شاہ کے
دامن دولت سے وابستہ تھے بادشاہ نے
مصوّر الدولہ بہادر خطاب دیا تھا ہر قسم کی تصویر کشی مین ایسی
اعلےٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے کہ آج کل کے دستکاری فن مین

بھی وہ کمال نہین پایا جاتا اِس وقت بھی حسین آباد کی تقشو والی بارہ دری اور دیگر مقامات پر شاہی مصوّرون کی اعلیٰ صنّاعی کے نمونے موجود ہین۔

لکھنوی اولاد نواب شجاع الدولہ

نواب کاظم حسینخاں سے تھے عہد واجدی کے تھے شوقیہ تصاویر کھینچا کرتے تھے جانورون کی تصویرین نہایت عمدہ بناتے تھے اور کبھی کبوتر کی تصویر ان سے بہتر کوئی نہ بنا سکا ان کے ہاتھ کی قلمی تصویرین اب بھی لوگون کے پاس موجود ہین اور نخاس مین بکنے آجاتی ہین۔ نواب موصوف سرائے معالیخان مین رہتے تھے اب سے دس سال پہلے مر گئے خوبصورت آدمی تھے

شاعری

جب نواب شجاع الدولہ نے فیض آباد کو اپنا مستقر قرار دیا اور
اہل فن اور اہل ہنر کی قدردانی کا نیا دروازہ کھلا تو دہلی اور دیگر
اطراف سے اہل کمال یہان آنے لگے اور آب و دانہ اور خاک
گور کی کشش نے پھر اُن کو اسی سرزمین کا دوامی مہمان بنالیا
اسی ضمن مین شاعر بھی کھنچ کھنچ کر یہان آئے اور جب دارالسلطنت
فیض آباد سے نواب آصف الدولہ لکھنؤ آئے تو لکھنؤ شعرا اور
ہر فن کے باکمالون کا مرکز بنگیا اور لکھنؤ اسی وقت سے اُردو زبان
کا مستند مرکز ہوگیا اور یہان کی زبان ٹکسالی زبان مانی گئی خود اَودھ
کے بادشاہون نے صرف اہل زبان اور شعرا و اُدبائے کامل
کی خاطر تواضع ہی نہین کی اور اُن کی قدردانی مین اشرفیون کے
توڑے ہی نہین کھول دیے بلکہ خود بھی بعض بعض سلاطین نے
زبان اُردو کی بہت خدمت کی خصوصًا واجد علیشاہ جو خود بہت
طبیعت دار شاعر اور ادیب تھے اُنھون نے صدہا محاورات

والفاظ کے اختراع مین دلچسپی لی کتنے لوگ خود بادشاہ سے
اصلاح لیتے تھے یہ آج اُردو کی جو قدر و قیمت ہے یہ محض
شاہان اودھ کے طفیل مین ہے اگر یہ اپنے فیاض ہاتھون کو
ادھر سے کھینچ لیتے تو نہ میر تقی میر یہان آتے نہ سودا کا مزار
یہان ہوتا نہ آتش ۔ ناسخ ۔ صولت ۔ امانت ۔ ہنر ۔ سرور ۔ سحر
درخشان ۔ شوق ۔ اسیر ۔ قلق ۔ ذکی ۔ قبول ۔ وزیر ۔ بحر ۔ صبا ۔ رند
وغیرہ وغیرہ عہد شاہی کے اتنے باکمال شاعر اس سرزمین پر
گذرے جنکی فہرست بھی طولانی ہے نواب یمین الدولہ کی
قدردانی سے انشا جیسے باکمال شاعر پیدا ہوے نواب یمین الدولہ
کے حکم احکام سے اُن کی ادبیت ظاہر ہوتی ہے شاہان اودھ
بھی بڑے ادب نواز تھے غازی الدین حیدر نے حقّہ کا نام حسن
محفل حیزرات کا نام دہی اور مالائی کا نام بالائی رکھا اسی طرح
واجد علیشاہ نے صدہا چیزون کو ناموں کے خلعت دئے جو
آج اُردو کی زینت کا سبب ہین جیسے شراب کو آب حرام
عضو تناسل کو عضو مخصوص ۔ رضائی کو شب خوابی جوتی کو آرام پائی
حقّہ کو لب معشوق تمباکو ئے خوردنی کو خوش طلب سر رکھنے کے تکیہ کو

آرام سرا اور تکیئے کو آرام پہلو پرنس سلیمان قدر نے حقہ کو معشوق
تنہائی یا آرام پیچ کہا ہندوستان میں کسی بادشاہ کی تصانیف
اتنی زیادہ اور کارآمد نہیں جسقدر واجد علیشاہ کی ہیں واجد علیشاہ
نے خطابات اور احکام وغیرہ میں شاعری اور آدب سے
جوہر کوٹ کوٹ کر بھر دیئے عورتوں۔ مردوں۔ عمارتوں۔ باغوں
اور جانوروں کو ہزاروں خطاب دے ڈالے ان خطابوں کی
خوبی اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ چیز یا شخص سامنے
ہو عہد شاہی کے چند شاعروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔
نواب آصف الدولہ خود نازک خیال شاعر تھے اور شاعری
کے قدردان پھر دادو دہش میں مشہور۔ امراء۔ روسا بادۂ شاعری
سے اُن کے عہد میں سرشار تھے بڑے بڑے محلوں میں دھوم دھام
سے مشاعرے ہوتے تھے اور شاعری کے خوب خوب صلے
ملتے تھے نواب آصف الدولہ کا اُردو پر یہ احسان ہے کہ
جب دلّی کی شاعری کا باغ تاراج ہوا تو سب سے پہلے نواب
موصوف کا دست کرم اٹھا اور تمام آوارہ وطنوں کی اعانت
و دستگیری کا قرض ادا کرنے لگا جو ذہی کمال آیا اُسکی قدر ہوئی

صفحئہ دربار علما، فضلا، نغز گفتار شعرا سے مملو ہو گیا۔
شاعری کا شمار فنون لطیفہ مین ہے اس لیے ضمناً اس کتاب مین ہنر مندون کے سلسلہ مین اس کا ذکر آ گیا اور صرف چند مشہور اور چند غیر مشہور شعرا کا تذکرہ کر دیا گیا ورنہ صرف واجد علیشاہ کے عہد مین اتنے شاعر لکھنو مین تھے جتنے سارے ہندوستان مین تھے شجاع الدولہ سے لیکر واجد علیشاہ تک خود بادشاہون نے اور امراء۔ روساء۔ وزراء۔ نے دامے درمے سخنے ہر طرح کی خدمت کی اور زبان اور ادب اُردو پر تا قیامت رہنے والا احسان کر گئے واجد علیشاہ کے آخری دور مین فصاحت زبان اور شاعری نے لکھنو مین مضبوط جگہ پکڑ لی تھی چند روز مین شعر کہنا لکھنو مین ایک وضعداری بن گیا اور شعرا کی یہان اسقدر کثرت ہو گئی کہ شاید کہین کسی زبان مین نہ ہوئی ہو گی شاہی بیگمون کا کیا ذکر ہے شرفا کی عورتون مین شعر و سخن کا چرچا ہوا اور جہلا کے کلام مین بھی شاعرانہ خیال آفرینیون تشبیہون اور استعارون کی جھلک نظر آنے لگی یہی وجہ ہے کہ آج تک یہان کے سودے والے آواز لگاتے ہین تو بجائے یہ کہنے کے کہ گنڈیریان کون لیگا

استعارتاً یون کہتے ہین کہ یہ قند کے ڈلے کون لے گا ککڑیون کے بیچنے والے چلاتے ہین کہ لیلی کی انگلیان ہین مجنون کی پسلیان ہین کیا خوب ککڑیان ہین۔ دبیر و انیس نے مرثیہ خوانی مین ایسے ایسے کمالات شاعری دکھلائے کہ شعر و سخن کے آسمان پر آفتاب و مہتاب بنکر چمکے اُردو ادب مین وہ نئی نئی چیزین پیدا کردین جنکو انگریزی تعلیم کے اثر سے طبیعتین ڈھونڈھنے لگی تھین اُردو شاعری کی ایک قسم واسوخت ہے نظم اُردو کی یہ قسم لکھنو ہی مین شروع ہوئی فن ہزل گوئی کو لکھنؤ کے آخری دور مین شیخ گوہر علی مُشیر ساکن مفتی گنج نے کمال کے درجہ کو پہنچا دیا عہد واجدی مین اُردو ڈرامہ نے جنم لیا سب سے پہلا اُردو ڈرامہ اندر سبھا ہے جسکو امانت لکھنوی نے ۱۸۵۳ء مین تصنیف کیا یہ موسیقی دار کامیڈی ہے۔

شاعری کا اثر لکھنؤ کے تمدن پر اتنا پڑا کہ آج تک یہان کے جہلا کی زبان بھی اس قدر شستہ و رفتہ اخلاقی حفظ مراتب کے الفاظ سے ملو اور تمدنی آداب سے لبریز ہے کہ اکثر صاحبان علم ان کی گفتگو سنکر ششدر رہجاتے ہین یہان کی شاعری نے

طرح طرح سے تہذیب اور تمدن کی ترقی مین مدد دی اور ہنرمندون مین سلیقہ و مذاق سلیم کا جذبہ پیدا کرنے مین نمایان حصہ لیا اردو کے ساتھ فارسی غزلون کے مشاعرے سے ملک مین علمی و ادبی چرچا بڑھ گیا جس سے معلومات مین اضافہ ہوتا رہا دربار کی زبان فارسی تھی ۔

میر تقی میر دہلوی استاد کامل یہ صرف نواب آصف الدولہ کی قدردانی تھی کہ اتنا بڑا باکمال شاعر کہ اردو پھر ویسا شاعر نہ پیدا کر سکی لکھنؤ کے بزم شاعری کی زینت کا سبب ہوا

شرط سلیقہ ہے ہر اک امر مین عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے

سرمگین آنکھین شرم آلودہ خاک مین ہمکو ملائینگی

کیا یہ نگاہین نیچی نیچی اوپر اوپر جائین گی

جہان سے فتنہ کو خالی کبھی نہین پایا ہمارے وقت مین تو آفت زمانہ ہوا

میر حسن دہلوی مثنوی سحر البیان ان کے کمال کا آئینہ ہے اسی عہد آصفی کی یادگار مین ان کی شیرین بیانی مشہور ہے ؎

وہ پھولون کی خوشبو وہ ستھرا پلنگ + جوانی کی نیند اور وہ سونے کا رنگ

وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جابجا　　وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا
ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی　　چھپا منھ کو اور مسکراتی چلی
کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے　　دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

میر محمدی سوز　نواب آصف الدولہ کے اُستاد تھے

مرنا تو یہ ہوا اُسکے اور جان نکلجائے　　مرنا تو مسلّم ہے ارمان نکلجائے
ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا　　پڑگئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

فخر الدولہ راجہ رتن سنگھ　زخمی تخلص کرتے تھے عہد غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر میں تھے۔

نواب عالم آرا بیگم　واجد علیشاہ کی پہلی ملکہ تھین عالم تخلص تھا

نہیں اک وضع پر جہان کا رنگ　　عارضی ہے فقط یہان کا رنگ
خود غرض ہوتے ہین جہان کے دوست　　جب غرض نکلی پھر کہان کے دوست
قائل انتظام تھے انگریز　　ملک آباد اور زمین زر ریز
ہو شب وصل گر دلمین ہر دھڑ کا عالم　　بول اُٹھے کہین مرغ سحر آج کی رات

قہر تیور غضب کی چتون ہے ماشاء اللہ آج جوبن ہے

شیخ علی حسین پٹنہ کے رہنے والے جویا تخلص تھا رشک کے شاگرد تھے عہد نصیری مین لکھنؤ آئے ۔

کیا صفائی ہے ٹھہرتی نہیں چشم مردم اے پری آئینے کو کرتے ہین حیران عارض

حسام الدولہ محمد تقی علی خان شمشیر جنگ سحر کے شاگرد تھے اور امجد علیشاہ کے خویش تھے حسام تخلص کرتے تھے ۔

عارض حسن پر اتنا نہیں لازم ہے غرور ہون اگر چاند سے اے ماہ دو چندان عارض

مولوی بشیر الدین کاکوروی شاکر تخلص تھا سورۂ دہر کا ترجمہ نظم کیا عہد امجدی مین گذرے نواب ملکہ گیتی کی سرکار مین مدار المہام تھے ۔

اشرف علیخان فغان یہ اردو کے نامی استاد احمد شاہ بادشاہ کے کوکا تھے عہد شجاع الدولہ مین کمال کی قدردانی کی تمنا مین دلی سے لکھنؤ آئے نواب شجاع الدولہ نے نہایت تعظیم و تکریم کی ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک مدت تک دربار مین رکھا ۔

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا وہ کیا ہوا تپاک وہ الفت کدھر گئی

ناسخ و آتش عہد نصیری کے بےمثل شاعر تھے ناسخ نے زبان اردو کے محاورہ کو بہت درست کیا آتش نے زبان کو صاف اور پرلطف بنایا ناسخ سے

ناتوانی سے گراں سرمہ ہے چشم یار کو جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو
شراب کیوں نہ چلے فصل گل میں اے زاہد کہ نہریں جاری ہوئیں موسم بہار آیا

آتش سے

صبح بہار ہے مجھے ساقی پلا شراب سب جانتے ہیں عید کا روزہ حرام ہے
سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

انشا عہد سعادتی کے بےمثل اور جامع الکمالات شاعر اور ادیب تھے

قہر ہے لعل مسی زیب سے تیرے کہنا
رنگ یاقوت ہے یاں گرد مرے ہونٹھ نہ چوس

نہ چھیڑ اے نکہتِ باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

نواب یمین الدولہ نواب شجاع الدولہ کے فرزند تھے ان کی شاعری اور ادبیت نثر کے

حکم احکام سے ظاہر ہوتی ہے ایک خیاط نے اضافہ معاش
کی عرضی دی جسپر نواب نے حکم لکھا کہ ؎
گر زمین را بہ آسمان دوزی
ندہندت زیادہ از روزی
ایک منشی نے لفظ نوع کو نو لکھا نواب نے اسکی غلطی پر پنزلے
جرمانہ کا یہ حکم تحریر فرمایا کہ این منشی نو لفظ نوع را بطریق نو نوشتہ است
عین خطا کردہ است لہذا ہفتاد روپیہ جرمانہ گیرند۔ اس طرح
ستر روپیہ جرمانہ کیا جو عین کے عدد ہوتے ہین نواب صاحب
عبارت اکثر مقفیٰ و مسجع لکھتے تھے انشا پردازی مین بے نظیر
تھے شراب پینے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے صاحب
رائے کائستھ نے یہ عرضی نواب صاحب کو دی ؎
ترک مے ایام ہولی مین کہو کیا کیجیئے
جی مین آتا ہو کہ اس صورت مین گنٹھی لیجیئے
گر تماشا کائستھون کا دیکھنا منظور ہو
شاہ دو دن کے لئے ہمکو اجازت دیجیئے
حکم نواب صاحب "محتسب را درون خانہ چہ کار"
منشی صاحب رائے۔ کائستھ عہد صفی اور عہد سعادت

کے مؤرخ اور اچھے تاریخ گو اور مشہور شاعر تھے ایک دن آصف الدولہ عیش باغ کے پھاٹک سے جا رہے تھے دیکھا کہ پھاٹک پر جو مٹی کا شیر ہے اُسکے منہ مین طوطے نے اپنا گھر بنایا ہے نواب نے مسکرا کر صاحب رائے کی طرف دیکھا اُنھون نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ؎

قربان شہ کے صدقے کیا عدل کا نشان ہے
جو شیر کے دہن مین طوطے کا آشیان ہے

نواب مرزا تقی ہوس

خلف نواب مرزا علیخان صاحب دیوان ان کی ہر غزل مین لیلی مجنون کا مضمون ضرور ہوتا ہے مثنوی لیلی مجنون ان سے یادگار ہے مصحفی کے شاگرد تھے نواب ہوس مرحوم احاطہ مرزا علیخان لکھنؤ مین سید اعجاز حسین خان وثیقہ دار عرف دلارے نواب کے مکان کی پشت پر نالہ کے قریب نرکلون مین دفن ہین قبر موجود ہے اب یہ مقام اجاڑ ہے ؎

کی راہ محبت مین مشقت جو انھون نے — اتنا ہمین معلوم نہ تھا حوصلہ پایا
ہم جا نہین سکتے ہین ہوس شرم کے مارے — ہرچند گھر اسکا ہی بہ یک فاصلہ پایا

(سراپا سخن صفحہ ۱۳۸)

عہد سعادتی کے نامور شاعر تھے ترقی تخلص تھا

مرزا تقی خان اسد الدولہ خطاب تھا ؎

ساکنان کعبہ نے کی بت پرستی اختیار | وہ صنم نام خدا کیا ان دنوں جوبن پہ ہے
در و دیوار سے آتا ہے نظر جلوہ دوست | آئینہ خانہ مرا گوشۂ تنہائی ہے

دیا شنکر نسیم مثنوی گلزار نسیم کے مصنف تھے عہد امجدی میں فوج میں بخشی گری کے عہدہ پر مامور تھے ؎

گل ہوا کوئی چراغ سحری او بلبل | ہاتھ ملتی ہوئی پتوں سے صبا آتی ہے
گر رہی ہے اس گلستان کی ہوا | شاخ گل اک روز جھونکا کھائے گی

نواب آصف الدولہ کو شاعری کا بہت شوق تھا اور شاعرون کی قدر منزلت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے نواب موصوف کی شاعری صفائی اور پر از جذبات شاعری کا نمونہ ہوتی تھی ؎

پوچھتے کیا ہو شب ہجر کی حالت یارو | مین ہون اور رات ہے اور بستر تنہائی ہے
بڑے شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا | چکے گا روبرو کس کے معاملہ دل کا
خط جو آیا تو ہوا رشک سے صنم کا یہ حال | رشک کے مارے دکھایا نہ کسیکو کاغذ
جو جلوے صنم تجھ مین ہم دیکھتے ہین | خدا کی خدائی مین کم دیکھتے ہین

بتون کی گلی مین شب و روز آصف تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہین
شوخی چشم کی شہرت کو تری سن سن کر شرم سے باغ مین نرگس نے چھپائین آنکھین

نواب شمس النسا بیگم دہلوی کی خاص محل تھین خواجہ وزیر لکھنوی کا خطاب نواب ہو تھا آصف الدولہ
کی شاگرد تھین شرم تخلص تھا

اُس گلِ تر کی صفت مین جو غزلخوان ہوتا گل مضمون سے گلستان ہرا دیوان ہوتا
اس پریزاد کو مین تابع فرمان کرتا یعنی افسون محبت کا جو عامل ہوتا
بیان مین کس سے کرون جا کے اب گلہ دل کا یہ دل کا دل ہی مین ہوویگا فیصلہ دل کا

واجد علیشاہ کا کلام ہر صنف مین موجود ہے۔ غزل۔ سلام مرثیہ۔ مثنوی۔ قصیدہ وغیرہ کے علاوہ نثر
کی کتابین بھی ہین۔ دادرا۔ ٹھمری بھی کہتے تھے اور خوب کہتے تھے
شاید ہی کوئی بادشاہ اتنی تصنیفین چھوڑ گیا ہو پورا کلام اب ملتا
کہان ہے جسقدر اب بھی واجد علیشاہ کی تصانیف زمانہ کے
ہاتھون سے محفوظ رہ گئی ہین وہ بھی بہت ہین انشاء اللہ اس کی
تفصیل تاریخ واجدی مین نظر آئے گی بادشاہ نے ہندی الفاظ
ومحاورات کے مستند طور پر طریق استعمال مین اور زبان اردو کی

وسعت کو ترقی دینے مین بڑا حصّہ لیا بادشاہ کا کلام صفائی اثر اور درد کا مجموعہ ہوتا تھا جب بادشاہ کلکتہ جا رہے تھے تو سفر کے درمیان مین انھین تکلیفین پہونچین اس سفر مین انھون نے یہ ذیل شعر کہا تھا۔

زمانہ تھا یسا کرتے تھے گوہر پاؤنکے نیچے
پر اب ہی دھوپ سر پر اور کنکر پاؤنکے نیچے

یہی تشویش شب و روز ہی بنگالہ مین
لکھنو پھر بھی دکھائے گا مقدر میرا

آہ کرتا ہون تو سب لوگ خفا ہوتے ہین
اے نسیم سحری ہم تو ہوا ہوتے ہین

یون تو شاہان جہان پر ہی پڑا وقت مگر
ختم ہی اختر بیکس پہ جفائے غربت

قید ہو نلیے کہین لوئے ریاست جائیگی
لاکھ گردش آسمان کو ہو زمین ہوتا نہین

راجہ شیو کمار

وفا تخلص کرتے تھے عہد آصفی کے وقائع نگار اور شاعر تھے۔

مشتعل رات وہ آتش تھی مری سینہ مین
کہ نہ رکھا گیا ہاتھ اپنے جگر پر اپنا

سید امام علی

صاحبقران تخلص کرتے تھے ہزل گوئی مین طاق تھے عہد آصفی مین لکھنؤ آئے اور خوب چمکے۔

چتون غضب ہے ننھی کی ہے بمثال آنکھ
چھوٹے سے سن مین اسکی ٹرہی ہے چھنال آنکھ

مرزا سودا عہد آصفی کے ایسے مستند اور باکمال شاعر ہین کہ میر تقی میر بھی ان کا لوہا مانتے ہین ان کی قبر لکھنؤ مین ہے

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے یہ یاد رہے ہمکو بہت یاد کروگے
گل پھینکے ہے عیرون کیطرف بلکہ ثمر بھی اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

راجہ جیالال گلشن تخلص کرتے تھے عہد محمد علیشاہ مین تھے آتش کے شاگرد تھے

گلشن نہ مضطرب ہو شب ہجر ہی خیر دن وعدۂ وصال کے دو چار رہ گئے

احمد مرزا نام تھا صابر تخلص کرتے تھے میر انس کے منجھلے بیٹے تھے دربار واجدی کے مجرائیون مین اسم تھا بادشاہ کے کہنے سے ان سے چند غزلون پر اصلاح لی تھی نواب زہرہ محل کے داروغہ ہو گئے تھے۔

جگناتھ کایستھ واجد علیشاہ کے دفتر مین متصدی تھے اچھے شاعر تھے رامائن خوشتر منظوم ان کی تصنیف ہے۔

مرزا محمد مہدی علیخان نام تھا مقبول الدولہ خطاب تھا

قبول تخلص کرتے تھے واجد علیشاہ کے توپخانہ کے داروغہ او رناسخ کے شاگرد تھے۔

حُسن سے عشق کا ظہور ہوا نور سے نار کیون نہ پیدا ہو

قبول ناسخ مرحوم کا جواب تھا خدا ہی جانے کہ مرزا و میر کیسے تھے

فقیر محمد خان نام تھا گویا تخلص کرتے تھے حسام الدولہ خطاب تھا اہل فن کے بڑے قدردان اور شیخ ناسخ کے شاگرد تھے۔

چاندنی سایہ ہے شب لب اختر فشان جسکو مہتاب سمجھتے ہین کسیکا ہے وہ رُخ

فاصلہ شام و سحر مین نہ رہا ہے گویا دیکھ لے متصل زلف چلیپا ہے وہ رُخ

مرزا محمد رضا خان نام فتح الدولہ خطاب برق تخلص شاعری مین واجد علیشاہ کے استاد تھے قلعۂ ولیم کلکتہ مین ۱۸۵۷ء مین انتقال کیا۔

آتا نہین قرار دل بے قرار کو غم مین پھنسا ہون نام محبت سے چھوٹ کر

قیس کا نام نہ لو ذکر جنون جانے دو دیکھ لینا مجھے تم موسم گل آنے دو

دیا کرشن نام تھا ریحان تخلص کرتے تھے راجہ الفت رائے کے سررشتہ دار تھے۔

صدائے صور سے کمتر نہین کچھ دل کے نالے ہین
تبھی تک خیر ہے جبتک طبیعت کو سنبھالے ہین

نام تھا نواب شرف الدولہ مستقیم جنگ
محمد ابراہیم علیخان خطاب تھا خلیل تخلص کرتے تھے محمد علیشاہ
کے وزیر اعظم تھے اور راجہ عاشور علیخان کے شاگرد تھے ۔

کیا طالب بوسہ ہون وہ ہین شرم مجسم
چپ کا ہے اشارہ لب خاموش پہ انگشت
کس طرح خلیل اب کرون وصف مے وساقی
ہے ہر خط ساغر لب مے نوش پہ انگشت

پیر بخش نام تھا حمید الدولہ رضا قلی خان بہادر خطاب تھا
عہد محمد علیشاہ مین تھے فاطر تخلص تھا مرزا محمد حسن
عرف چھوٹے مرزا مذنب مرثیہ گو کے شاگرد تھے ۔

ہم یہ سمجھے تھے محبت مین بہل جائے گا دل
یہ نہ معلوم تھا رنگ اور ہی کچھ لائے گا دل

(سراپا سخن صفحہ ۲۷۴ - ۲۷۷)

موسیقی

تاجداران اودھ نے فن موسیقی مین بہت بڑی دلچسپی لی
اور اُن کی سرپرستی کی وجہ سے سچ پوچھیے تو یہ فن مٹنے سے باقی
رہ گیا نواب شجاع الدولہ کی قدر دانی اور فیاضی نے سارے
ہندوستان کے موسیقی دانون کو اودھ کی سرزمین پر لاکر اکٹھا کر دیا
اور موسیقی کا ایک نیا دور شروع ہوا باکمال گوئیے نواب اور
امرا اور وسا کے یہان ملازم تھے اور بڑی بڑی تنخواہین پاتے
تھے فن موسیقی کی ترقی اور سرپرستی مین کثیر رقم صرف ہوتی تھی
اور بظاہر یہ اسراف معلوم ہوتا ہے لیکن فراوانی دولت پر
نظر کر کے اس سے ہزارہا بندگان خدا کو فائدہ پہونچتا تھا اور فنون
لطیفہ کو ترقی ہوتی تھی یہ دولت کا بیجا صرف نہ تھا آصف الدولہ
کے عہد مین موسیقی پر ایک لاجواب کتاب اصول النغمات
الآصفیہ لکھی گئی اور ہندوستان مین اس سے بہتر کتاب اس

فن پر نہین لکھی گئی ہر سال ہولی بہار اور بسنت مین آصف الدولہ
جشن عام کرتے اور ان مین ساڑھ لاکھ روپیہ سالانہ صرف ہوتا تھا
راجہ مہاراجہ نے اسی عہد مین کہارون کا ناچ ایجاد کیا نواب امین الدولہ
جس کمرے مین کاغذات ملاحظہ کرتے تھے اُسکے ایک طرف
طوائفون اور رقاصون کی چوکی جمع رہتی تھی جسوقت نواب کا دل
ملاحظۂ کاغذات سے اکتا جاتا تو رقص وغیرہ کا تماشا دیکھتے اس طرح
اس فن کو دماغ کو تفریح اور راحت پہونچانے کا ذریعہ قرار
دے رکھا تھا۔

نواب غازی الدین حیدر نے بڑے تکلف اور انتظام خاص
سے بسنت کا تماشا دیکھا تھا ایسا بسنت لکھنو مین کبھی نہین ہوا
جب نواب ہوا خوری سے واپس آتے تھے تو گانا سُنتے تھے
غازی الدین حیدر کی بیاہتا بیوی بادشاہ بیگم کا معمول تھا کہ ہفتہ
عشرہ مین غسل کرکے پُرتکلف لباس اور زیور پہن کر اور عطر مین
سراپا بس کر ایک مکان مین تنہا بیٹھ جاتی تھین خاص اس تقریب
کے لیے ایک عمدہ مکان آراستہ کیا گیا تھا گانے بجانے کا عمدہ
سامان وہان جمع رہتا تھا اس جلسہ کا نام بیٹھک تھا اس تقریب

مین دو ہزار روپیہ تک صرف ہوتے تھے اور جو پوشاک بیگمصاحبہ
اُس وقت پہنے ہوتی تھین وہ گانیوالیون کو انعام مین دیجاتی تھی۔
نصیر الدین حیدر کے یہان سو طائفہ دیہاتی اور سو شہر کا چیدہ نوکر
تھا بادشاہ کو کٹھ پتلی کے تماشے مین زیادہ مزہ ملتا تھا چھجو خان اور
غلام رسول خان کلاونت اسی عہد مین تھے جو ٹپے کے موجد
مانے گئے۔

واجد علیشاہ خود فن موسیقی کے بڑے ماہر تھے اور فن موسیقی کے
قدردان تھے اُن کے عہد مین لکھنؤ اعلی درجہ کے کاملین فن کا
مرکز ہو گیا تھا واجد علیشاہ نے قیصر باغ مین تین دن تک میلہ
کیا تھا جس مین اسی ہزار وابستگان دامن دولت کو طعام خوشگوار
عطا ہوا اور اس طرح ملک کی دولت ملک ہی مین رہتی تھی اور
کتنے باکمال اہل فن اور رعایا کی پرورش ہوتی تھی اور فن مین
کمال حاصل کرنے کے لیے ہر ایک ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا تھا
رہس خاص برج اور متھرا کا فن ہے بادشاہ کی طبیعت اہل ہنود
کے رہس کی طرف متوجہ ہوئی بادشاہ نے سری کشن جی کا
رہس دیکھا تھا اسی رہس سے خود اپنا ڈرامہ ایجاد کیا تھا

رہس کے سامان مین کئی لاکھ روپیہ صرف ہوا مثنوی ماہ پیکر اور
غزالہ کی تصنیف سے جلسہ رہس کی بنیاد پڑی اس کو دیکھتے ہی
رعایا مین اِس بات کا خاص شوق پیدا ہوا کہ عاشقانہ قصّے جو
اُن دنون پریون کے حسن و عشق سے زیادہ وابستہ تھے عملی صورت
مین دکھائے جائین پبلک کا رجحان دیکھکر امانت لکھنوی نے
۱۸۵۳ء مین اندرسبھا تصنیف کی یہ اُردو کا سب سے پہلا
ڈرامہ ہے جو موسیقی دار کامیڈی ہے جس مین ہندوٗن کی دیومالا
مین مسلمانون کے فارسی مذاق کی آمیزش کا پہلا نمونہ نظر آیا اسنے
ڈرامہ اور تھیٹر کی بنیاد ڈال دی یہ ڈرامہ واجدعلیشاہ کے
حکم سے نہ تو تیار ہوا نہ کبھی اس مین کوئی حصّہ واجدعلیشاہ نے لیا
اور نہ کبھی یہ تماشا قیصر باغ مین ہوا اور نہ بادشاہ کبھی اس مین
شریک ہوئے موسیقی کی ترقی کے لحاظ سے یہ عہد زرّین عہد
تھا باوجود اسکے اور فنون و کمالات کو بھی ترقی تھی جیسا کہ اسی
کتاب اور دیگر کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کوئی بدنظمی نہ تھی
جہان اور فنون کی ترقی کا دور تھا وہان موسیقی کو بھی ترقی تھی
یہ ضرور ہے کہ بادشاہ کے شوق اور کمال کی وجہ سے اس

فن کو بہت عروج نصیب ہوا اور باوجود اسکے کہ آج کل کے زمانہ
مین موسیقی بحیثیت فن دنیا کی بعض یونیورسٹیون مین نصاب تعلیم
کا ایک جزو ہے اور اسکے کتنے اسکول اور کالج اور درجے کھل گئے
ہین مگر اس دور واجدی کی ترقی کو ابھی تک یہ فن نہین پہنچ سکا
واجد علیشاہ کو تاشا بجانے کا بڑا شوق تھا محرم کی ساتوین تاریخ
مٹیا برج مین تہمانی کوٹھی سے مہندی اٹھتی تھی اس مین معمول تھا
کہ تقریباً ایک گھنٹہ تک خود بادشاہ گلے مین تاشا ڈال کر بجاتے
تھے تاشا بجانے کی یہ صفت ہے کہ اتنی جلدی جلدی ضربین پڑین
کہ ایک قرعہ کا دوسرے سے امتیاز نہو سکے اور ان مسلسل اور متواتر
قرعون کے نشیب و فراز و زیر و بم سے لے اور گت پیدا ہو
واجد علیشاہ نے ٹھمری اور دادرے خوب خوب کہے اور یہی
شاعر جو مثل بادشاہ کے موسیقی اور شاعری دونون مین کمال
رکھتا ہو ایسے دادرے اور ٹھمریان کہہ سکتا ہے موسیقی اور
شاعری کو باہم گرچہ مناسبت ہے وہ ایک جداگانہ بحث ہے
واجد علیشاہ نے نئی راگنیان ایجاد کین جیسے جوگیا۔ کنٹر۔ جوہی
بادشاہ پسند وغیرہ نئی گتین ایجاد کین۔ مثلاً انعامی گت۔ سلامی

گت۔ لکھنوا گھونگھٹ گت۔ نازگت۔ بانکی گت۔ بندھی سلامی گت وغیرہ۔ بھنڈیتی کی نقلین نکالین جیسے سبحان علیخان کمبوہ کی نقل موسیقی پر واجد علیشاہ نے کئی کتابین لکھین مثلاً ناجو۔ بنی۔ دلھن وغیرہ تاریخ ہند مین کئی بادشاہ موسیقی کے کامل استاد بتائے گئے ہین مگر جتنی معلومات واجد علیشاہ کو اس فن مین تھی شاید کسی اور بادشاہ کو ہو حقیقت یہ ہے کہ فن موسیقی پر شاہان اودھ کا بہت بڑا احسان ہے اور یہ آج جو کچھ نمونہ اس فن کے کمال کا نظر آتا ہے یہ اسی کا پرتو ہے شاہان اودھ ہنر اور ہنرمندون کے حوصلہ افزائی مین ایسی دلچسپی کا اظہار کرتے تھے کہ ہنر معدوم نہ ہونے پائے اور عوام کو یہ دھوکا ہے کہ بادشاہ عیش پسندی کے جذبہ مین ایسا کرتے تھے

رام داس لکھنوی سلیم شاہی زمانہ کا گویا تھا جو موسیقی مین دوسرا تانسین کہلاتا تھا یہ خانخانان کے دربار کا خاص گویا تھا (دربار اکبری صفحہ ۱۹۴)

خواجہ حسن مودودی عہد سعادتی مین گذرے ہین باوجود عطائی ہونے کے فن موسیقی مین دور دور تک ان کا جواب نہ تھا یہ مصنف نغمات الآصفیہ کے

استاد تھے ان کے کمال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مرہٹون
کی دست برد کے زمانہ مین وہ میانہ مین سوار لکھنو سے اٹاوہ کیطرف
جا رہے تھے راستہ مین کسی گانون مین گذر ہوا وہان مرہٹے تاخت
کرنے والے تھے کہارون نے خواجہ صاحب کا میانہ رکھدیا اور آگے
چلنے سے رُکے خواجہ صاحب نے بعد نماز عصر الاپنا شروع کیا
اس کا اثر کہارون پر اتنا پڑا کہ وہ تازہ دم ہو گئے اور امن کی جگہ
خواجہ صاحب کو پہونچا دیا (گذشتہ لکھنؤ صفحۂ ۱۸۸ و آب حیات)

نواب سالار جنگ آصف الدولہ کے حقیقی ماموں تھے اچھا برس کلاونت جو ابنائے تانسین
سے تھا اُس سے موسیقی مین گو سے سبقت لے گئے اور اس درجہ
کمال پیدا کیا کہ قوالون اور کلاونتون سے حصہ شادی و غمی بمقتضائے
ظرافت و علم و کمال لیتے تھے۔

بڑی مصری طوائف حضر و سفر مین آصف الدولہ کے ساتھ رہتی تھی۔

سُندر جان عہد آصفی مین خیال گانے مین بے مثل استاد تھی آصف الدولہ کی نوکر تھی۔

حیدری خان غازی الدین حیدر کے عہد میں فن موسیقی کے کامل و اکمل تھے اپنی وارفتہ مزاجی کی وجہ سے
سڑی حیدری خان مشہور تھے یہ محلہ گولہ گنج میں رہا کرتے تھے
بادشاہ کو ان کا گانا سننے کا بیحد شوق تھا مگر کبھی اس کا کوئی موقع
نہین ملتا تھا اتفاقاً ایک دن غازی الدین حیدر ہوادار پر سوار دریا
کنارے سیر کو نکلے رومی دروازہ کے نیچے لوگون نے دیکھا کہ
سڑی حیدری خان چلے جاتے ہین بادشاہ سے مصاحبین نے
عرض کی کہ قبلۂ عالم حیدری خان یہی ہین بادشاہ نے حکم دیا کہ بلاؤ
لوگ خان صاحب کو پکڑ لائے بادشاہ نے کہا کہ ارے میان
حیدری خان کبھی ہمین اپنا گانا نہین سناتے بولے کہ جی ہان کیون
نہ سناؤن گا مگر مجھے آپ کا مکان معلوم نہین ہے بادشاہ بے ختیار
ہنس پڑے بادشاہ ساتھ لے گئے محل مین بیٹھ کے گانا سننے لگے
بہت محظوظ ہوے وجد کا عالم طاری ہو گیا بیخود و بیتاب ہو گئے
یہ حالت دیکھ کے حیدری خان خاموش ہو گئے بادشاہ نے پھر
گانے کو کہا تو بولے کہ یہ تمبا کو جو آپ کے پیچوان مین بھرا ہوا ہے
بہت عمدہ ہے آپ کس کی دوکان سے منگواتے ہین بادشاہ کو

یہ بُرا معلوم ہوا مگر لوگون نے کہا کہ قبلۂ عالم سٹری تو سٹری ابھی تک
یہی نہین سمجھا کہ کس سے باتین کر رہا ہون تھوڑی دیر کے بعد پھر
حیدری خان نے گانا شروع کیا بادشاہ نے کہا کہ اگر مجھے خالی
خوش کیا رلایا نہین تو یاد رکھو گومتی مین ڈبوا دون گا یہ حیدری خان
کی عقل چکرائی سمجھے کہ یہ بادشاہ ہین کہا کہ حضور اللہ مالک ہے اور
جی توڑ کر گانے لگے خدا کی قدرت کہ تھوڑی ہی دیر مین بادشاہ
پر گانے کا یہ اثر ہوا کہ رونے لگے اور خوش ہو کے کہا کہ کیا مانگتے
ہو عرض کیا کہ یہ مانگتا ہون کہ مجھے پھر کبھی نہ بلوائیے گا اور نہ گانا سنیئے گا
بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ کیون عرض کیا آپ کا کیا ہے
مجھے مروا ڈالیے گا پھر مجھ سا حیدری خان پیدا نہ ہوگا اور آپ
مر جائینگے تو فوراً دوسرا بادشاہ ہو جائے گا اس جواب پر بادشاہ نے
منہ پھیر لیا یہ موقع پا کر بھاگ گئے۔

عظیمن جان یہ باکمال طوائف عظیم اللہ خان حجام کی آشنا تھی
عظیم اللہ خان محمد علیشاہ کی ناک کے بال تھے
اور ایک مشہور شخص تھے۔

سہرو بائی دکن سے آئی تھی موسیقی مین کامل تھی غازی الدین حیدر

کے یہاں پانچ سو روپیہ ماہوار پہ ملازم تھی اور یہ غزل خوب گاتی تھی۔ اے نسیم سحر آرام گہ یار کجاست + ایسا گاتی تھی کہ سب پہ محویت طاری ہو جاتی تھی۔

بیبا جان محبوبن کسبی کی بیٹی تھی میر عیسی میاں کی منظور نظر تھی خوش گلوئی و نغمہ سرائی کی وجہ سے اپنے عہد میں مشہور ہوئی

خاندان تانسین عہد واجدی میں خاندان تانسین کے باکمالوں میں پیار خان جعفر خان۔ حیدر خان باسط خان۔ محمد علی خان تھے۔

نعمت اللہ خان باسط خان کے شاگرد علم موسیقی کے باکمال گیارہ سال تک مٹیا برج میں واجد علیشاہ کے ساتھ رہے۔

واجد علیشاہ فن موسیقی میں بادشاہ کا پہلا استاد باکمال نتھو خان ڈھاڑی فرخ آبادی ہے بادشاہ نے باسط خان سے بعد کو فن موسیقی حاصل کر کے کمال کی حد تک پہونچا دیا بادشاہ اس فن لطیف میں کامل بصیرت رکھتے تھے ان کا شمار بلحاظ فن اساتذہ میں تھا۔ نے ایک اہم جزو موسیقی ہے

جسکو عرف مین ٹائم یا وقت کہنا چاہیے اس کا مادّہ بادشاہ مین
بہت زیادہ تھا یون تو لَے کا مادہ کم وبیش ہر شخص مین ضرور موجود
ہوتا ہے شعرانے جو اوزان مقرر کیے ہین وہ بھی لَے سے تعلق
رکھتے ہین علم عروض دراصل تکمل لَے ہے یہ بدیہی امر ہے کہ جس شخص
مین فطرتاً لَے کا مادہ بہت بڑھا ہوا ہوگا اُسکے ہر عضو اور بن مو سے
حرکت بے اختیاری وار بودگی پیدا ہو جائیگی اور لَے پر ہر عضو
پھڑکنے لگے گا عوام کی نظر مین یہ حرکت ایک بے وقعت اور مہمل
معلوم ہوتی ہے لیکن وہ شخص جس سے سرزد ہوتی ہے مجبور ہے
واجد علیشاہ کے اس فعل کو لوگ کہتے ہین کہ وہ ناچتے تھے حالانکہ
وہ ناچتے نہ تھے بلکہ لَے داری مین محو ہو کے اُن کے اعضا سے ایسے
حرکات سرزد ہونے لگتے تھے جو لوگ اصول موسیقی سے ناواقف
ہین کہنے لگے کہ بادشاہ ناچتے تھے دراصل واجد علیشاہ کبھی اور کسی
زمانے مین نہین ناچے ان کا ناچنا بس یہی تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ
لَے داری مین کوئی اعلیٰ درجہ کا کامل فن گویا بھی بادشاہ کا
مقابلہ نہ کر سکتا تھا نرت جسے بھاؤ بتانا کہتے ہین یہ فن بھی علم
موسیقی کا ایک جزو ہے اور انگریزی مین اسکو موشن کہتے ہین

تمام اسپیکرون وغیرہ مین یہ پایا جاتا ہے اسی طرح لے داری بھی اسکی ایک نوع ہے جس کا کمال واجد علیشاہ مین تھا مگر لاعلمی کی وجہ سے یہ معلومات کا کمال اُن کے بدنامی کا باعث آج ٹھہرایا جاتا ہے قیصر باغ کے میلے عہد واجد علیشاہ اور واجد علیشاہ کے کمال کے اظہار اور فن موسیقی کی سرپرستی کے زرین دور مین ہوے واجد علیشاہ نے رہس کو جو متھرا کا مایۂ ناز فن تھا نئے طرز سے لکھنؤ مین رواج دیکر اس فن پر یادگار احسان کیا انھون نے اپنے مذاق اور خیالی پلاٹ کا ایک نیا رہس ایجاد کیا۔ تاشا بجانے مین بادشاہ کو کمال تھا سلطان عالم ستار ایسا بجاتے تھے کہ روتے لوگ ہنس دیتے تھے اور ہنستے رو دیتے تھے بادشاہ نے موسیقی کو محض فن کی حیثیت اور علم کو علم کی حیثیت سے حاصل کیا تھا اور جسقدر روایات اُنکے ناچنے گانے کے متعلق مشہور ہین یہ سب افترا ہے یہ نہایت پارسا اور پابند شرع بادشاہ تھے۔

رجب علی بیگ سُرور اپنے عہد کے باکمال موسیقی جاننے والے تھے لیکن اس کا اظہار نہین کیا۔

عہد آصفی کی بیمثل گانیوالیان

نجبن طوائف۔ سلار کسبی۔ کریم بخش طوائف۔ رادھا باولی طوائف۔ منصو طوائف فیض آبادی فن موسیقی کی اعلی ماہرہ تھین رام کلی۔ خورشید جان۔ مہتاب جان۔ سرستی رام جنی۔ ہیرا جان۔ یہ سب قصبہ دریاآباد کی تھین اور فن موسیقی کی ماہرہ تھین جلالو یا جلائی محبوبۂ نواب مختار الدولہ بہادر طباطبائی۔

گوہر جان طوائف لکھنؤ کی رہنے والی تھی جو منصرم والی گوہر کے نام سے مشہور تھی اسنے کلکتہ جاکر بڑا نام پیدا کیا ایکبار مٹیا برج کی ایک محفل مین تین گھنٹے تک یہ ایک ہی چیز کو بتایا کی کہ تمام اہل کمال دنگ رہ گئے۔

نجبن عرف نجا خاندانی طوائف تھی مسماۃ شرعی دریاآبادی کی بیٹی فن موسیقی مین اپنی مان کی شاگرد ٹپہ گانے مین فرد تھی گلا بہت اچھا تھا۔

نظام الدین احمد خان و محمد احمد خان عہد واجدی مین تھے علم موسیقی مین مقتدائے جہان تھے۔

حیدر علیخان وچھجو خان ان دونون نے دُھرپد اور خیال ایسا گایا کہ مدعی تک وجد مین آیا یہ عہد واجدی مین تھے۔

مہابت خان ترمول شاہ کے بیٹے تھے مہاراجہ ڈِگبجے سنگہ تعلقدار بلرام پور کے اُستاد تھے۔

پیربخش ڈھاڑی عہد نصیری مین تھا موسیقی مین کامل مہاراجہ ڈِگبجے سنگہ کا اُستاد تھا۔

کیشوداس ورگھوناتھ داس یہ دکن کے رہنے والے تھے اور موسیقی کے بڑے اُستاد تھے مہاراجہ ڈِگبجے سنگہ کے دربار مین تھے اور اُن کو موسیقی کی تعلیم دی۔

مرزا گمانی بیگ موسیقی مین کامل مہاراجہ ڈِگبجے سنگھ کے اُستاد تھے۔

ہری رام باجپئی عہد شاہی کے کامل موسیقی دان تھے مہاراجہ ڈِگبجے سنگہ کے اُستاد تھے۔

شوری بےمثل ٹپہ گاتا تھا۔

منڈر کسبی۔جادی جان نتھوا جان کشمیرن کی باکمال عہدِ نصیری

گانیوالیاں تھین۔جادی جان لکھنوہی سے نواب امیر مرزا نے نکاح کرلیا تھا منڈر سے اقبال الدولہ محمد علیخان نے نکاح کرلیا تھا یہ ناچتی خوب تھی۔

مسٹر مانٹر عہدِ نصیری کا موسیقی دان مطرب جرمنی کا رہنے والا تھا۔

حسین علیخان عہدِ نصیری مین تھے امرا مین بیمثل موسیقی کے کامل تھے۔

والاقدر نواب وزیر مرزا بہادر (بعدیوان یا جو لکھی والے) فن موسیقی سے خوب واقف تھے ٹھمری ایسی کہی کہ واجد علیشاہ کے بعد ہندوستان مین انھین کا نام ہے عہدِ شاہی کے تھے ایک دن بندادین مجرا کر رہا تھا اُسنے بھاؤ بتانے مین رسالتآب کا معراج پر جانا بتانا شروع کیا اور قرآن شریف اور پوتھی کو کھولنا بھاؤ مین بتایا اور والاقدر سے داد چاہی اُنھون نے کہا کہ تم نے غلط بتایا اُسنے پھر بتایا پھر انھون نے کہا کہ

غلط ہے اُسنے سہ بارہ بتایا اُنھون نے پھر کہا کہ غلط ہے اُسنے کہا کہ
اب حضور سمجھا دین نواب والا قدر نے کہا کہ اہل اسلام قرآن شریف
داہنے ہاتھ سے کھولتے ہین اور داہنی طرف سے سطرین پڑھتے
ہوے نظر کو بائین طرف لیجاتے ہین تم غلطی یہ کرتے ہو کہ بائین ہاتھ
سے کھولتے ہو بندا دین قائل ہو گیا۔

دُولے خان لکھنوی محلہ تحسین گنج کے رہنے والے تھے عہد
نصیری مین پیدا ہوے عہد واجدی مین ہوری
اور دُھرپد گانے کے استاد تھے تال کٹورہ کی کربلا مین دفن ہین دولے خان
کے بڑے بیٹے محمد حسن خان ہین جو موسیقی سکھاتے خوب ہین دولے خان
کا دوسرا بیٹا احمد خان ہے اسکو معلومات اچھی ہے مگر بدگلو ہے
دولے خان کا مکان محلہ تحسین گنج مین وہان تھا جہان حامد علیخان صاحب
مرحوم بیرسٹر کی کوٹھی ہے۔

رقاصی

خوشی مہاراج عہد شجاع الدولہ اور آصف الدولہ مین گذرا ہے ناچنے مین یکتائے روزگار تھا۔

مہاراج پرگاش یمین الدولہ کے عہد کا مشہور رقاص تھا شکر کے بتاسے اور کوڑی پر رقص کرتا تھا کوئی دقیقہ علم موسیقی کا اس سے فروگذاشت نہ ہوتا تھا نوابصاحب کا ملازم تھا۔

ہلال جی پرگاش جی اور دیالو جی عہد غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر کے مشہور ناچنے والے تھے۔

مسماۃ حسینی اوّلاً بازاری رقاصہ طوائف تھی اور اپنے حسن و کمال فن کی وجہ سے اسنے نصیر الدین حیدر کو گرویدہ کرلیا تھا بادشاہ نے اسکو بیگم بنایا اور سلطان محل خطاب دیا مذکورۂ بالا حسینی طوائف کے علاوہ ایک اور کسبی حسینی تھی یہ اکثر

نصیر الدین حیدر کے حضور میں تلمچنے جایا کرتی تھی بادشاہ کی منظور نظر
ہوئی بادشاہ محل خطاب ہوا۔ بھچو طوائف ساکن جس پور بندھوا
کی بیٹی مسماۃ حسینی نہایت حسین تھی شادی کی محفلوں میں اکثر ناچنے
جایا کرتی تھی نصیر الدین حیدر کی نظروں میں سما گئی بادشاہ نے حسینی سے
نکاح کر لیا اور خورشید محل خطاب دیا پھر تاج محل خطاب دیا تاج محل
نے کربلائے معلے میں ۱۸۷۵ء میں انتقال کیا مذکورہ کسبیاں
رقاصی کے فن میں باکمال تھیں۔

حسینی طوائف اس کا نام محبوبن بھی تھا اسے نواب
روشن الدولہ وزیر اعظم نے اپنے گھر میں
ڈال لیا تھا نصیر الدین حیدر نے اسے سرفراز محل خطاب دیا تھا۔

عاشورن طوائف لکھنؤ کی تھی بینی رام لکھنوی نے عاشورن
کو اپنے گھر میں ڈال لیا تھا۔

بگا طوائف عہد غازی الدین حیدر میں تھی فن رقص سے
خوب واقف تھی خادم حسین کی آشنا تھی جو
نواب معتمد الدولہ کا رفیق تھا نصیر الدین حیدر نے بگا جان کا مجرا
بعہد ولیعہدی نواب شیر جنگ کے باغ میں دیکھا تھا اور تقاضائے

سن لی وجہ سے کہ عمر شہزادہ کی بائیس سال کی تھی بگا سے مالوف ہو گئے تھے۔

درگا پرشاد و ٹھاکر پرشاد عہد محمد علیشاہ سے واجدی عہد تک یہ دونوں فن رقاصی کے کامل اُستاد گذرے ہین۔

خدا بخش کسبی اِس کی ایک بیٹی مانی جان بے انتہا خوبصورت تھی خدا بخش مانی جان کو لیکر لکھنؤ سے ریاست بلرامپور آئی الغرض مانی جان مہاراجہ ڈگبجے سنگھ کی خدمت مین آئی اور بڑی آفت اٹھوائی آخر زبردستی لکھنؤ بھیجی گئی مانی جان نے راجہ مذکور سے جدا ہوتے ہی اپنی ماں کو چھوڑ دیا اور بیت اللہ کی راہ لی صبح سے شام تک عبادت کرتی تھی وہین دنیا سے چل بسی

عہد امجدی کی مشہور گانے اور ناچنے والیاں یہ سب طوائفین لکھنؤ مین تھین اور ناچ اور گانے مین کمال رکھتی تھین چھوٹے صاحب یہ محلہ گولہ گنج مین رہتی تھی۔ چھوٹی گوہر جان۔ چیلا جان بخشی جان چھوٹی خانم والی امراؤ جان۔ مشا جان۔ سرفرازہ۔ وزیرن بی جان

دلرُبا (اس کا اصلی نام حیدری تھا) محبوب جان فیضو کسبی چھجنیوالی چلبلی جان بنت فیضو کسبی ناچ گانے مین یکتا تھی۔ پیاری عمدہ پیاری صاحب (یہ خیالی ڈومنی کی بیٹی تھی) خوب گاتی تھی بندیجان حسینی۔ اچھی صاحب (یہ ببیا طوائف کی بیٹی تھی) فیروزجان کرم بخش والی۔ امراؤجان (اسکی نائکہ کا نام عمدہ خانم تھا) مُرادبخش ولائتی جان۔ کنھیا (گاما کی نوچی تھی) امیربخش فرخ آبادی۔ گنّا وغیرہ

عہدامجدی کے ڈھاری نتھو خان فرخ آبادی غلام نبی خان۔ گھمن۔ غلام حیدر یہ چارون رقص و سرود کی تعلیم دینے مین استاد کامل تھے۔

مسماۃ بتیہ یا تیّہ نواب شجاع الدولہ کی آشنا تھی اسکی بدولت بڑا حشر اُٹھتا بارے خدا نے رحم کیا۔

پیارو طوائف یہ ایک حسین طوائف تھی اور نواب منتظم الدولہ حکیم مرزا مہدی علیخان کی آشنا تھی اسنے بہت کچھ روپیہ جمع کر رکھا تھا حکیم صاحب نے اپنی آشنا کے ساتھ نکاح کرلیا اور جبتک پیارو زندہ رہی خوش و خرم گذران کرتے رہے اِس عورت نے حکیم صاحب کی زندگی مین مکہ کی

راہ مین انتقال کیا حکیم صاحب کی ترقی کی بنیاد پیاز و طوائف سے پڑی جسنے دھڑوت کی رقم اپنے پاس سے ادا کر کے حکیم صاحب کو ایک صوبہ کی نظامت کا عہدہ دلوادیا تھا پیازہ نواب یمین الدولہ کے عہد مین تھی (شام اودھ جلد اوّل و دوم)

مسمّاۃ داڑی یمین الدولہ کے عہد مین بڑی نام ور رقاصہ تھی۔

اُجاگر طوائف کا مجرا نواب یمین الدولہ نے راجہ ٹکیت رائے کے باغ مین دیکھا تھا

بھگیہ طوائف نواب آصف الدولہ کی ملازم تھی اور اپنے زمانہ کی بہترین رقاصہ تھی شہزادہ جوانبخت دہلوی تیموری نے اسے نواب جہان آبادی کا خطاب دیا تھا (قیصر التواریخ جلد اوّل)

گنگا دین عرف منوہر دریاآبادی عہد آصفی مین ناچنے اور گانے مین اکمل روزگار تھا۔

مغل جان رانی مئو مضافات دریاآباد ضلع بارہ بنکی کی

رہنے والی تھی عہد واجدی تک زندہ تھی رقاصی مین کامل تھی ننگی تلوارین لیکر پھرتی تھی اور گتنکے کے ہاتھ دکھاتی تھی ناچنے مین دور دور تک مشہور تھی فن موسیقی مین بھی کمال تھا۔

ہنومان پرشاد کتھک دریاآبادی فن موسیقی مین کامل تھا مشیرالدولہ مہاراج بال کرشن بہادر (دیوان سلطنت اودھ) کی سرکار مین نوکر تھا ناچنے اور گانے مین کامل تھا (تاریخ دریاآباد)

بندادین وکالکا یہ دونون کتھک درگا پرشاد کے لڑکے تھے اور آخر عہد مین ایسے باکمال گذرے کہ روئے زمین پر ان کا ہمسر نہ تھا ان دونون بھائیون نے (خصوصاً بندادین نے) ناچ کے تمام فنون مین کمال دکھا کے اپنے آپ کو ہر حیثیت سے اُستاد بے بدل ثابت کردیا بندا کا گت ناچنا رقص کے اُستادانہ توڑے اور ٹکڑے اصلی صورت مین دکھانا گھونگھرو بجانے مین یہ اختیار اور قدرت ظاہر کرنا کہ جسے گھونگھرو چاہے بجائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُسکو پیر کی رگون پر کس قدر قدرت اور قبضہ تھا یہ بات مشہور و معروف ہے کہ بندادین ایکسو چار ہی گھونگھرو

پانون مین باندھ کر رقص کرتا تھا اور اُسکے ہر ہر لفظ اور ہر ہر چیز کو
بتانا ایسی چیزین تھین جنکا بندا ہی پر خاتمہ ہوا وہ ایک ایک چیز کو
سو سو اداؤن وضعون نزاکتون اور دلفریب اشارون سے
بتاتا تھا اور اس مین ایسی نازک خیالی اور جدّت طرازی ہوتی
تھی کہ دیکھنے والا جانتا نہ ہو تو خاک بھی سمجھ نہین سکتا ایسا رقص کرتا
تھا کہ لوگ ششدر رہ جاتے تھے ایک سنّاٹے کا عالم طاری
ہو جاتا تھا دیکھنے والون کے دل مین گداز پیدا ہو جاتا تھا ایسے
ایسے ناز۔ غمزے۔ عشوے۔ اور اشارے رقص مین کرتا تھا کہ
طبیعت بیچین ہو جاتی تھی یہ معمول تھا کہ بندا دین بتاتا اور کالکا
پاس کھڑا ہو کے اسکی تشریح کرتا جاتا تھا ناچ مین اسکے پانون
اس نزاکت سے زمین پر پڑتے تھے کہ مشہور ہے بعض اوقات
وہ تلوار کی باڑھ پر ناچا اور مجال کیا جو تلوے مین ذرا بھی
چرکا آیا ہو۔

باکمال سازندے

بخشو اور سلاری عہد نصیری میں تھے جنھوں نے طبلہ ایسا بجایا کہ پکھاوج کا دم بند کردیا ان دونوں کے مقابلہ میں کسی کو طبلہ چھونے کی جرأت نہ ہوتی تھی (فسانۂ عبرت)

چھوٹے خاں دہلوی یہ امجدی عہد میں لکھنؤ آیا اور ولیعہد سلطنت واجد علیشاہ کا ملازم ہوا۔ بلا کا طبلہ نواز تھا واجد علیشاہ نے اسے انیس الدولہ کا خطاب دیا تھا مٹیا برج میں مرگیا اور وہیں دفن ہوا ان کے استاد پیار خان تھے جو تانسین کے خاندان سے تھے۔

قطب الدولہ ریاست رام پور یا بریلی کے رہنے والے تھے ستار خوب بجاتے تھے اور عہد واجدی کے باکمالوں میں تھے۔

ہیرالال عرف ہیرا دریا آبادی یہ قوم کا کتھک اعلیٰ درجہ کا

سارنگی نواز تھا جو عہد آصفی مین گذرا ہے۔

نواب علی و تاج محمد دریاآبادی یہ دو مشہور طبلہ نواز عہد آصفی مین خاص شہرت رکھتے تھے۔

جمن خان دریاآبادی عہد آصفی مین ستار نوازی مین کامل تھے۔

پنڈت بھیرون دت دریاآبادی فن موسیقی کے بڑے ماہر تھے۔ پنڈت جی ڈھول بجانے مین یکتا تھے کپتان سیتلابخش بہادر پنڈت جی کے بڑے قدردان تھے ایک دن ایک بلبل درخت پر بیٹھی چہک رہی تھی کپتان موصوف نے پنڈت جی سے کہا کہ یہ بلبل کیا کہتی ہے پنڈت جی نے فوراً ڈھول منگواکر تال کے ذریعہ سے اُس کے بول سُنا دیے یہ کسی کے شاگرد نہ تھے خود مشق سے کامل اُستاد ہوگئے تھے۔

بینی پرشاد کتھک دریاآبادی موسیقی کا استاد تھا خوش گلو مغنی تھا ناچنے مین کامل تھا

عہد واجدی مین پرنس برجیس قدر بہادر کی والدہ کے خاص مجرئی شاہی کلاونتون مین تھا۔

سوبج دین کتھک دریا آبادی عرف سرجو طبلہ نوازی مین کامل تھا یہ بھی پرنس برجیس قدر بہادر کی والدہ کے یہان ملازم تھا۔

مسمّاۃ شرعی دریا آبادی موسیقی دانی کے ساتھ ساتھ سارنگی بجانے مین اُستاد تھی حسین بخش لکھنوی کی شاگرد تھی۔

حسین بخش لکھنوی سارنگی بجانے مین کامل تھے۔

غلام محمد خان عہد واجدی مین ستار بجانے مین کامل تھے ہاتھ مین گلے کا انداز رکھتے تھے بڑے دیندار تھے (سوانح عمری مہاراج ڈبجے سنگھ)

رجب علی نصیر الدین حیدر کا ستار مین اُستاد تھا۔

پیار خان خاندان تانسین سے تھے واجدی عہد مین تھے

اور رباب بجانے مین اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

چکارا بجانے مین اُستاد تھا سورمین یہ وصف تھا کہ چکارے سُورہ سے طرح طرح کی آواز پیدا کرکے تڑپا دیتا تھا۔

پنڈت بھیرون دت دریاآبادی یہ سرورِیہ برہمن مشر تھے پنڈت جیونرائن کی نسل سے تھے پنڈت گوری شنکر کے بیٹے تھے فن موسیقی کے بڑے ماہر تھے مردنگ ڈھول وغیرہ خوب بجاتے تھے پنڈت جی کی ڈھول بہت مشہور تھی لکھنؤ مین اچھے اچھے طبلہ نواز انکی ڈھول سننے آتے تھے پنڈت جی ڈھول سے ہر ساز کی آواز پیدا کرکے سامعین کو وجد مین لاتے تھے عہد امجدی مین بھی

مہدی حسن خان لکھنوی محلہ تحسین گنج کے رہنے والے تھے اور واجد علیشاہ کے ملازم تھے بین بجانے مین ان کا جواب ہندوستان مین نہ تھا غدر کے بعد ریاست دتیا مین کدئی سنگہ یا کدو سنگہ کپھاوجی سے ان کا مقابلہ ہوا مہدی حسن خان نے اسکو شکست دی ایسی بین بجائی کہ کپھاوجی ساتھ نہ دیسکا مہاراجہ صاحب دتیا نے ان کو بہت انعام دیا دولے خان اور مہدی حسن خان غلام حسین خان کے بیٹے تھے مہدی حسن خان عظیم اللہ خان کی کربلا مین دفن ہین۔

محمد حسین خان لکھنوی عرف محمد عہد شاہی کا پیدا تھا طبلہ بجانے مین اپنے زمانہ مین

اُستاد مانا جاتا تھا یہ شعر صاف اُسکے طبلہ سے سُنائی دیتا تھا ؎

ترے پر سے جھڑتے لگے شرر نہ تڑپ تو بلبلِ زار بس

جلے گا قفس جلے گا قفس جلے گا قفس جلے گا قفس

جناب مرزا محمد عسکری صاحب ساکن عبدالعزیز روڈ لکھنو نے

محمد کا مذکورہ کمال دیکھا ہے۔

نواب گیتی آرا بیگم نواب حضور عالم وزیر اعظم کی صاحبزادی تھین عہد واجدی کی تھین جلترنگ بمثیل

بجاتی تھین۔

نواب عنایت الدولہ نواب حضور عالم کے بڑے صاحبزادے تھے عہد شاہی کے تھے علم موسیقی

سید سجاد علیخان خوب جانتے تھے پیانو اور سُور سنگار

خوب بجاتے تھے تنت کار مشہور تھے۔

نواب ضیغم الدولہ سید زین العابدین خان خلف نواب حضور عالم خوشنویس تھے

انگریزی فارسی اُردو اسقدر تیز لکھتے تھے کہ پندرہ منٹ مین سولہ
صفحے لکھ سکتے تھے کسی قدر فرانسیسی۔ جرمنی۔ ترکی اور روسی زبان بھی
جانتے تھے اور علم جفر استاد نوازش علیخان اور امام علیخان سے
سیکھا تھا نواب صاحب اُردو زبان کے شاعر بھی تھے اور بہت
سے نوحے تصنیف کیے تھے فن شہسواری اور نیزہ بازی سے
خوب واقف تھے اور بنوٹ مین تو فرد تھے علم موسیقی مین تو نواب صاحب
سمندر تھے نور کا گلا پایا تھا اگر تان پلٹا مارتے تھے تو ایکہزار قدم پر
آواز پہنچتی تھی ایسی ترکیب اور قطع بندی سے نوحے پڑھتے تھے
کہ باکمال ڈھاڑی بھی نہ پڑھ سکتے تھے ہر راگ اور راگنی سے
واقف تھے جس چیز کی فرمائش ہوتی فوراً سنا دیتے دُھرپد آستائیان
خیال اور دیگر چیزین کثیر تعداد مین جانتے تھے بلکہ خود تصنیف کرتے
تھے ادنی سی بات یہ ہے کہ بارہ سو دھرپد اور دھمال کی تال کی
اٹھارہ سو ہولیان معلوم تھین۔ فارسی۔ پنجابی۔ بنگلہ زبان کے
گیت اچھی طرح جانتے تھے اور بہت سے انگریزی گیت بھی جانتے
تھے اور ان کو انگریزی راگ راگنیون اور دھنون مین ایسی
نفاست سے گاتے تھے کہ سننے والے پھڑک جاتے تھے علاوہ

اسکے ستار۔ سرسنگھار۔ سارنگی۔ طبلہ۔ پکھاوج۔ بانسری۔ ڈھول۔
پیانو۔ ہارمونیم۔ وغیرہ خوب بجاتے تھے اور بین ایسی بجاتے تھے
کہ انسان سُنکر غش غش کرجاتے (تاریخ قیصری صفحہ ۱۱۴تا۱۱۴) آپکے
صاحبزادے نواب محتشم الدولہ سید ہاشم علیخان بہادر بفضلہ زندہ
ہین اور خوب گاتے ہین ان کا ایک بٹیا نواب سید قائم علیخان
عرف نوابو صاحب ہے۔

نقالی

رقص وسرود کے ساتھ نقالی ہندوستان کا بہت ہی پُرانا فن ہے
جو راجہ بکرماجیت کے دربار مین حضرت مسیح سے پہلے بھی ترقی پر تھا
بھانڈون کے لطیفے نوک جھونک کے فقرے اور نقالی کے عجیب
کمالات مشہور ہین جیسی خوبصورتی سے ان لوگون نے امرا اور روسا
کو سبق دیے ہین اور ان کی لغزشون پر انھین متنبہ کیا ہے اور کسی طرح
ممکن نہ تھا یہ یہان کے نیشنل سٹائرسٹ ہین۔
سیما نورا بھانڈ عہد آصفی مین تھا اور حضر و سفر مین نواب کی

حضوری مین رہتا تھا اپنے فن مین کامل تھا۔

ڈولہ بھانڈ یہ نورا بھانڈ کا بیٹا تھا اور عہد سعادتی کے باکمالون مین تھا

کربلا بھانڈ نواب یمین الدولہ کے عہد سے نصیر الدین حیدر کے عہد تک زندہ رہا یہ بھانڈ نقالی مین اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔

قائم علی عہد واجدی کا بہت باکمال نقال تھا جو محلہ محمود نگر مین رہتا تھا نواب حضور عالم مع اپنی زوجہ نواب محل گوہر آرا بیگم کے قائم کی سبیل دیکھنے آئے ان معززین کو دیکھتے ہی قائم سامنے آیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ خدا نواب صاحب کو سلامت اور بیگم صاحبہ کو قائم رکھے اتنا سخت فقرہ تھا مگر انعام دینے کے سوا چارہ نہ تھا قائم کا کمال یہ تھا کہ ایک مرتبہ ساڑھے تین گھنٹے تک طرح طرح کے منھ بناتا رہا (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۱۸۱)

قوال

سونا ۔ گھمن یا لکھن عہد آصفی مین بےمثل خوش گلو قوال گذرے ہین

رجب علی و فضل علی غازی الدین حیدر کے عہد کے قوال ہین جب نواب ہواخوری سے واپس آتے تھے تو ایک انگریز تپائی پر بیٹھکر بین بجاتا تھا اور یہ قوال خیال گاتے تھے۔

محمد خان یہ قوال غازی الدین حیدر کے عہد مین گذرا ہے جب حکیم مہدی علیخان علاقہ محمدی سے شاہجہانپور چلے گئے تو شیخ ناسخ نے ان کے چلے جانے کی تاریخ کہی جسکا مادّہ گریختہ (۱۲۳۵) ہے یہ غزل بقافیہ گریختہ کہی گئی تھی یعنی کا شو برائے بختن شلجم گریختہ۔ اسے محمد خان قوال نے نواب آغا میر کے سامنے گایا تھا جسکے صلہ مین ایک ہزار روپیہ انعام پایا تھا۔

چھجو خان و غلام رسول خان یہ دونون کلاونت قوال عہد نصیری کے یادگار باکمالون مین تھے دنیا مین ان کی دھوم تھی۔

سوز خوانی

ناصر خان یہ تانسین کے خاندان سے تھا یہ لکھنؤ مین آیا اور یہان لوگون کا توغل سوز خوانی کی طرف دیکھکر اپنے کمال کو نوحہ خوانی مین صرف کر کے غیر معمولی مقبولیت حاصل کی اور اپنے پڑوس کی ایک مفلس بیوہ سیدانی پر ترس کھاکر اُن کے دو بچّون میر علی حسن اور میر بندہ حسن کو سوز خوانی کی تعلیم دی۔

میر علی حسن و میر بندہ حسن یہ دونون ناصر خان کے شاگرد تھے اور آخر دور کے باکمال اُستادون مین تھے اُنھون نے سوز خوانی کو ایک اعلی درجہ کا مستقل فن بنادیا اور اُن کی بدولت سوز خوانی کا فن شرفا مین رائج ہوا یہ عہد نصیری مین گذرے۔

سید میر علی سڑی حیدری خان کے سوز خوانی مین شاگرد تھے اور انھون نے سوز خوانی کو بہت ترقی دی نواب یمین الدولہ نے ان کے شہرۂ کمال سے مشتاق ہو کر اُن کو طلب کیا انھون نے

جانے سے انکار کیا اور لکھنؤ سے چلے جانے کا قصد کیا مگر نواب کی قدر دانی کی وجہ سے ان کو رکنا پڑا اور میر صاحب کا دو سو روپیہ مشاہرہ نواب صاحب نے مقرر فرمایا میر صاحب کو موسیقی مین کمال حاصل تھا۔

نواب قاسم علیخان نواب سالار جنگ کے بیٹے تھے یہ نغمہ و سرود اور مرثیہ خوانی مین داد ثانی تھے عہد غازی الدین حیدر مین وفات پائی۔

غلام مرتضےٰ یہ ملا محمد روضہ خوان کے بیٹے تھے عہد نصیری مین گذرے ہین جنکے دم سے خوش گلوئی اور الحان دلکش کے ساتھ مرثیہ خوانی کو بہت شہرت ہوئی۔

مہدی خان عہد واجدی کے مشہور سوز خوان تھے مٹیا برج مین شبون مین تین مجلسین خاص سلطان خانہ مین ہوتی تھین خود بادشاہ سیاہ پوشاک مین ہوتے اور مجلسون مین شرکت فرماتے مہدی خان لکھنوی سوز خوان پڑھنے آئے مہدی خان نے نور کا گلا پایا تھا سوز شروع کیا شاہی محل نفیس جلبی آئینون کی صاف شفاف جوڑیان اس طرح کی گمک

مہدی خان کی دلکش آواز میں پیدا ہو گئی کہ ہر تان میں یہ معلوم ہوتا
تھا کہ شمعیں جل اٹھیں رکھب پنچم اور نکھاد کے تینوں سر اس خوبی
سے لگتے تھے کہ خود ظل سبحانی بے چین ہو کر بیساختہ پکار اٹھتے تھے
کہ کیا رکھب لگی ہے انیس الدولہ کہہ اٹھتے تھے کہ واہ ری پنچم اور
اوسی طرح کوئی حضرت بار بار نکھاد کے سر پہ پھڑک جاتے تھے
پرچ کے بعد بہاگ کا سوز بہاگ کے بعد جنگلا پھر کافی پھر ایمن
کلیان وغیرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر سوز میں اگر راگنی نے جنم لیا ہو
گلا ہے کہ ارگن کی طرح سر سے رہا ہے بعد ختم مجلس بادشاہ نے
مہدی خان کو دو شالہ عنایت کیا۔

سوز خوان عورتیں میر انشاء اللہ خان کی تین بیٹیاں یا
نواسیاں امجد علیشاہ کے محل میں نوکر
تھیں تینوں خوش گلو شیریں ادا تھیں مرثیے سوز میں پڑھتی تھیں
بڑی کا نام حیدری بیگم منجھلی کا نام محمدی بیگم اور چھوٹی کا نام ننھی بیگم تھا

میر احمد علی اور گوہر علی واجد علیشاہ جبکہ ولیعہد تھے تو اُن کی
سرکار میں دو نہایت خوش گلو
مرثیہ خوان نوکر ہوے ایک کا نام میر احمد علی تھا اور دوسرے کا نام گوہر علی تھا

آغا محمد ندیم عہد آصفی کے بہترین روضہ خوان تھے مرثیہ گوئی مین بھی کمال تھا بحر البکا انھین کی تصنیف ہے۔

ملا محمد عہد آصفی کے روضہ خوان تھے تین سال تک نواب صاحب نے امام باڑہ آصفی مین محرم کیا خود حضور عالی مجلس مین شریک ہوتے اور ملا محمد پڑھتے تھے دو گھنٹے رات رہے نواب آصف الدولہ خواب سے بیدار ہوکر قرآن دو رکوع پڑھ کر اُن کو سُناتے تھے۔

مرزا پناہ علی آفسردہ تخلص کرتے تھے عہد غازی الدین حیدر کے اچھے مرثیہ کہنے والون مین تھے۔

واجد علیشاہ خود نہایت خوشگو تھے مرثیہ اور نوحہ اور سلام خوب خوب کہا ہے۔

سیّد محمد مرزا اُنس عہد واجدی مین سو روپیہ ماہوار سرکار شاہی سے پاتے تھے مرثیہ بہت خوب کہتے اور بہت خوب پڑھتے تھے خط شفیعہ بھی اچھا لکھتے تھے نواب ملکہ جہان نے ایک بار بیس ہزار روپیہ اور دوسری بار پچیس ہزار روپیہ عنایت کیا اُنھون نے ملکہ جہان کی سرکار مین ایسے کار نمایان کیے کہ ملکہ جہان نے انکی تنخواہ چار سو روپیہ ماہوار

کردی اور بھائی کہنے لگیں بچانوے سال کی عمر مین انتقال کیا۔
اور میر عشق کی بغیہ مین دفن ہوئے۔

مرزا سلامت علی دبیر دہلوی مرثیہ گوئی مین کامل استاد تھے زود گوئی مین ان کا جواب
نہ تھا ایکبار مرزا صاحب کے قریب دو کاتب اِدھر اُدھر بیٹھے
دونون کاتبون کو دو نئے مرثیے تصنیف کر کے لکھوانے لگے چار
گھنٹے مین ہر کاتب کو ساٹھ ساٹھ بند لکھا دیے ایک حضرت علی اکبرؑ
کے حال کا مرثیہ تھا اور دوسرا حضرت امام حسین علیہ السلام کے حال
مین تھا مرزا صاحب عہد شاہی کے تھے۔

میر ببر علی انیس فیض آبادی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی دونون کمالون مین فرد تھے ایک بار
واجد علیشاہ نے ایک مجلس مین میر صاحب کی زبان سے یہ شعر
سُنا کہ ؎ زلف اکبر کو جو دیکھا سر نیزہ پر خون + موے سر کھولدیے
مان نے پریشان ہو کر + اور اپنے استاد فتح الدولہ برق سے فرمایا
کہ مین نہ کہتا تھا کہ انیس لکھنؤ مین ایک ہی شاعر ہین یہ بان انہین
کے لیے ہے میر صاحب کی زود گوئی اور اسکے ساتھ ساتھ

خوش گوئی کا یہ کمال مشہور ہے کہ ایکبار انکے چھوٹے بھائی میر مونس
نے اپنی جگہ پر یہ دعوی کیا کہ سو پچاس بند مرثیہ کے ایک رات
مین کہہ لینا کچھ بڑی بات نہین میر مونس ایک مجلس کے لیے
جسے دو چار دن باقی تھے ایک مرثیہ کہہ کے میر انیس کے پاس
اصلاح کے لیے لائے میر انیس حوض مین غسل کر رہے تھے چند
بند مرثیہ کے سُنکر اُسے حوض مین ڈبو دیا اور مونس سے کہا کہ
اتنی بڑی مجلس کے لیے یہ مرثیہ اچھا نہین اس سے بہتر مرثیہ کہو
میر مونس نے کہا کہ میری قدرت اور امکان سے یہ بات باہر
ہے چنانچہ میر انیس نے ایک بھائی اور دو فرزندون کو پاس
بٹھالیا اور مرثیہ کہنا شروع کیا ایک شب مین پورا مرثیہ کہہ کر
تمام کر دیا یہ وہی معرکۃ الآرا مرثیہ ہے جو میر مونس کے نام سے
مشہور ہے اور جس کا مطلع یہ ہے ع

مجلس افروز ہے مذکور وفا داری حُر

علم قرأت

آقا محمد علی تبریزی عہد نصیری کے کامل قاری تھے ایسا قاری رُوئے زمین پر نہین گذرا۔

کلیل العلما مولوی سید محمد محسن کشمیری مشہور قاری تھے ٹیا برج مین سرکار واجد علیشاہ سے وابستہ تھے۔

ایک باکمال قاری یہ باکمال قاری شاید سرائے معالیخان کے رہنے والے عہد شاہی کے تھے مشہور ہے کہ ایکبار دو عرب لکھنو آئے اور اُن کو تمام قاریون کا امتحان منظور ہوا چنانچہ ہر ایک سے قرات سنی لیکن کسی کے کمال کے قائل نہ ہوے ان قاری کے کمال کی بڑی شہرت تھی یہ بہت مُعمّر ہو چکے تھے دانت گر گئے تھے قوت باقی نہ تھی لیکن اُنھون نے قرات سُنائی ایک جگہ پر جہان حس کو ع سے کسی

لفظ مین ملا یا گیا تھا انھون نے اِس خوبی اور کمال سے قرات مین ظاہر کیا کہ عرب وجد مین آ گئے اور کھڑے ہو گئے اسکے بعد اُنھون نے سترہ طریقہ پر اس ش اور ع کے ملانے کو قرأت مین ظاہر کر کے اپنے کمال سے ان کو مبہوت کر دیا۔

فنِ طب

مولوی حکیم عبداللہ کاکوروی کی حذاقت کے بعض واقعات

ایسے ہین جو کشف کے درجہ کے معلوم ہوتے ہین تشخیص مرض مین نبض و قارورہ دیکھنے کی انھین حاجت نہ تھی صرف صورت دیکھکر حال معلوم کرتے تھے چنانچہ ایک دن ایک آدمی کہ بظاہر کسی قسم کی بیماری اسکو معلوم نہوتی تھی سامنے سے گذرا دیکھ کر کہنے لگے کہ اس متحرک مردے کو دیکھو حاضرین نے متعجب ہو کر حال دریافت کیا کہنے لگے کہ اس مین قوت مطلق نہین رہ گئی ہے عنقریب مرجائے گا چنانچہ ایک ہفتہ کے اندر وہ مرگیا نواب مختار الدولہ بہادر طبا طبائی کو

خلل دماغ کا عارضہ تھا ان کے چچا جان سید مصطفوی خان بغرض
علاج نواب مختار الدولہ کو کاکوری لائے حکیم عبداللہ نے ایسا
عمدہ علاج کیا کہ اچھے ہو گئے حکیم عبداللہ عہد شجاع الدولہ مین
تھے (مشاہیر کاکوری صفحہ ۲۶۳)

کالے بھگت شاہجہانپوری قوم کے بنیے تھے جڑی بوٹی
سے علاج کرتے تھے تمام
عمر مجرد رہے مہاراجہ گوالیار کی طوائف کو فربہی کی بیماری تھی
کسی سے فائدہ نہ ہوا کالے بھگت کے علاج سے دو دن مین
موٹاپا دور ہو گیا کسبی نے دس ہزار روپیہ اور تحائف پیش کیے
مگر آپ نے انکار کر دیا (تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۲۰۳)

حکیم سید ہاشم علیخان موہانی حکیم کاظم علیخان کے بیٹے
تھے عہد شاہی کے تھے مولوی
سید آغا علی صاحب رئیس جلالی ضلع علیگڈھ نے امتحاناً اپنی
نبض حکیم صاحب کو دکھائی حکیم صاحب نے گزشتہ آٹھ سال
کے کل حالات نبض دیکھکر بتا دیئے اور انھون نے سب کی
تصدیق کی حکیم صاحب شرط کر کے دن اور ساعت مقرر کر کے

مریض کو اچھا کیا کرتے تھے (سوانح عمری علاّمہ کنتوری جلد اول و یادگار محسن)

علاّمہ کنتوری سید غلام حسنین صاحب عہد شاہی کو دیکھے ہوئے تھے زمانۂ حال مین بچا نوے سال سے زیادہ عمر مین انتقال کیا بڑے جید عالم اور قانون شیخ کے مترجم تھے لاہور مین ایکبار ایک شخص نے امتحاناً قارورہ دکھایا علامہ نے دیکھکر کہدیا کہ یہ بھینس کا پیشاب ہے اگر کسی انسان کا ایسا قارورہ ہو تو اسے دو گھنٹے کے اندر مرجانا چاہیے۔

حکیم مرزا علی عہد نصیری کے حاذق طبیب تھے اور ان پر بادشاہ کو بڑا اعتبار تھا۔

شفائی خان عہد آصفی کے مشہور اور حاذق طبیب تھے۔

حکیم مرزا علی محمد عہد امجدی مین بلحاظ کمال بقراط سمجھے جاتے تھے بادشاہ کے خاص طبیب تھے۔

حکیم مولوی علی حسین و حکیم ابو ابراہیم عہد امجدی کے مشہور طبیب تھے (رموز الاطبا جلد دوم صفحہ ۳۰۴)

حکیم محمد یعقوب عہد نصیری مین درباری طبیب تھے قدسیہ بیگم کو ان پر بڑا اعتقاد تھا ہمیشہ اُنھین کا علاج کرتی تھین (رموز الاطبا)

لطفی مسلمان تیلی تھا عہد واجدی کا تھا مفتی گنج مین رہتا تھا کولھا کمر یا ہاتھ کسی کا ٹوٹ گیا اسنے فورًا بٹھا دیا عہد انگریزی مین ایک انگریز کے کتے کا کولھا اُکھڑ گیا وہ انگریز کتے کو لطفی کے یہان لایا کہ اس کا کولھا بٹھا دو لطفی کتے کو اپنے گھر کے اندر لیگیا اور اس کے پیٹ کے نیچے ایک لکڑی ڈالی اور اس طرح کتے کو اچھالا کہ کولھا بیٹھ گیا اور انگریز سے کہا کہ کتے کو بلائیے صاحب نے آواز دی کتا اچھا خاصہ چلا آیا انگریز نے لطفی کو انعام دیا یہ واقعہ چشم دید امراؤ مرزا صاحب ساکن مفتی گنج کا ہے جنکی پیدایش سنہ ۱۸۵۸ع مین ہوئی اور بفضلہ زندہ موجود ہین۔

حکیم بتاہ علی عہد واجدی کے تھے نواب حضور عالم کے باغ کی پشت پر ان کا مکان تھا نبض دیکھکر بتا دیتے تھے کہ کیا مرض ہے قیافہ شناسی مین ایسا کمال تھا کہ ایک دن یہ اپنے مکان کے آگے کھڑے تھے ایک نوجوان لڑکا ادھر سے جا رہا تھا اُسکو بلایا اور کہا کہ تم کبوتر بہت اڑاتے ہو اُسنے کہا

کہ جی ہاں حکیم صاحب نے کہا کہ خبردار آپ قوت زور سے نہ کرنا ورنہ مرجاؤگے لڑکے نے نہ مانا حسب معمول کوٹھے پر چڑھ کر کبوتر اڑائے اور زور سے قوت کی فوراً دم نکل گیا۔

حکیم علی شریف و حکیم مرزا علی عہد سعادتی کے کامل طبیب تھے

حکیم آغا شکوہ عہد واجدی کے طبیب تھے اُنھوں نے بادشاہ کے لیے قوت و امساک کی بےمثل گولیاں تیار کی تھیں۔

حکیم حاجی ابراہیم علیخان جھنوائی ٹولہ کے مشہور و معروف طبیب تھے عہد امجدی یا واجدی مین پیدا ہوئے غدر کے بعد نواب کلب علیخان والی رامپور نے پانچسو روپیہ ماہوار مقرر کر کے بزمرہ اطبا خاص اپنا طبیب مقرر کیا تھا ایک مرتبہ حکیم صاحب لکھنؤ سے رامپور جا رہے تھے اس زمانہ مین شاہجہانپور ہو کر بذریعۂ ریل رامپور جانا ہوتا تھا حکیم صاحب شاہجہانپور کے اسٹیشن پر ریل کے انتظار مین ٹھہرے وہان کے کسی رئیس کی بیٹی ایک دن اور ایک رات سے غش مین پڑی تھی کسی طرح ہوش نہ آتا تھا تمام حکیم اور ڈاکٹر عاجز آگئے ان رئیس کو

حکیم صاحب کا پتہ چلا اور منت سماجت اپنے گھر پر لیجا کر مریضہ کو دکھایا حکیم صاحب نے پوچھا کہ واقعہ کیا ہے لڑکی کی ہمجولیون نے بتایا کہ جھٹپٹے وقت صاحبزادی کوٹھے پر کھڑی تھین ایک کھیت مین گائے بیل بھینس چر رہے تھے اس مین سے ایک بیل جفتی کھانے لگا صاحبزادی دیکھتے ہی غش کھا کے گر پڑین اور کوئی واقعہ نہین ہوا۔ حکیم صاحب نے صاحبزادی کے والد سے کہا کہ اسی وقت ان کا عقد کر کے ازالۂ بکارت کرا دیجئے لڑکی کے والد نے کہا کہ عقد ہو چکا ہے ابھی رخصتی نہین ہوئی ہے چنانچہ حکیم صاحب کے اصرار پر فوراً رخصتی کا انتظام ہوا اور تعمیل حکم کی گئی اور مریضہ فوراً اچھی ہو گئی حکیم صاحب نے چند دوائیان لکھدین اور مئو چلے گئے حکیم براہیم صاحب کی تصویر سامنے کے صفحہ پر موجود ہے یہ تصویر حکیم صاحب کے حقیقی پوتے حکیم عبدالقوی صاحب صوفی وارثی کے پاس موجود ہے۔



حکیم حاجي ابراهیم علي خان

فن جرّاحی

لکھنؤ کے دورِ سلطنت مین اِس فن کے بھی بڑے بڑے کامل گذرے ہین اسی تحت مین حکیم غلام محمد خان کے ذکر اور واقعہ سے معلوم ہوگا کہ آج کل اگرچہ ولایت سے ہندوستان تک فن جرّاحی کی دھوم ہے مگر ان کے کمال کو کوئی ڈاکٹر نہین پہونچا۔

حکیم غلام محمد خان یہ محمد علی خان کے بیٹے تھے ایک شخص وجع الانثیین مین مبتلا تھا اُنھون نے اسکے پیر کے نر انگشت کی فصد لیکر صرف دو قطرے خون کے نکالے ورم اور درد جاتا رہا اور پھر تمام عمر یہ مرض نہین ہوا یہ ضرور ہوا کہ اس طرف کا خصیہ آدھا رہگیا لیکن اس سے کوئی نقصان نہین ہوا حکیم صاحب نے کہا کہ اگر دو قطرے خون کے اور لیے جاتے تو سارا خصیہ غائب ہو جاتا مگر رجولیت کو کوئی صدمہ نہ پہونچتا

(تاریخ شاہ جہان پور صفحہ ۲۰۰)

مولوی اس نام کا ایک جراح تھا جو عہد واجدی کا تھا مفتی گنج میں رہتا تھا امراؤ مرزا صاحب کی داہنی آنکھ میں ناسور ہو گیا تھا ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کر کے اُن کے والد تھک گئے ایک دن مولوی نے اُن کے والد سے کہا کہ اپنی بغیہ میں میری قبر کا وعدہ کیجیے تو چند دن میں آپ کے لڑکے کو اچھا کر دوں انھوں نے وعدہ کیا تیرھویں دن بالکل اچھا کر دیا آج تک کوئی شکایت نہیں ہوئی۔

شاہ محمد حسن صابری یہ فن جراحی میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے رام پور میں اِن کا مقابلہ کئی بار ڈاکٹروں سے اس طرح ہوا کہ پھوڑے میں ریم کا ہونا ڈاکٹروں نے تسلیم نہیں کیا صابری نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر ریم کی جگہ انگلی رکھدی اور شگاف دینے سے اسی جگہ ریم نکلی (تذکرہ کاملان رامپور)

شیخ عابد حسین عرف عمدو لکھنوی عہد واجدی کا تھا مفتی گنج میں رہتا تھا اسنے جراحی اور حجامی دونوں میں کمال حاصل کیا تھا جراحی کا کمال یہ ہے کہ ایک مرتبہ باہر سے ایک ہندو زمیندار لکھنؤ آئے ان کی ران میں زخم پڑ گیا تھا

جو کسی طرح اچھا نہوتا تھا ڈاکٹر دن نے کہا کہ ٹانگ کاٹی جائے گی زخم
کے اندر کیڑے پڑ گئے ہین اور اگر ٹانگ نہ کاٹی گئی تو مرجائیگا
زمیندار ٹانگ کٹوانے پر راضی نہ ہوا اور عمدو کو بلوایا عمدو نے کہا کہ
ٹانگ کاٹنے کی ضرورت نہین ڈاکٹر سے اور عمدو سے بحث ہوگئی ڈاکٹر
نے کہا کہ تم نہین اچھا کر سکتے عمدو نے شریفہ کی سوکھی پتیان جلائین
اور اس کا دھوان زمیندار کے زخم کے اندر پہونچایا ادھر دھوان اندر گیا
ادھر کیڑے بج بجا کر باہر نکلنا شروع ہوے ڈھیرون کیڑے نکلے
اسکے بعد ہری شریفہ کی پتیان ہتیلی پر ملین اور اُن کا عرق زخم پر
ٹپکا دیا باقی سب کیڑے نکل گئے چند دن مین مرہم لگا کر زخم
بھر دیا زمیندار کی ٹانگ اچھی ہوگئی زمیندار نے عمدو کو بہت انعام
دیا اور ڈاکٹر صاحب جراح کے کمال کے قائل ہوئے۔

عملی فنون

شہزوری

شیخ غلام احمد ڈبریا یہ عہد شجاع الدولہ کے مشہور شہزوروں میں تھے خلاف معمول ان کے بائین ہاتھ مین بمقابلہ داہنے ہاتھ کے زیادہ زور تھا دوڑ مین گھوڑے سے بھی سبقت لیجاتے تھے عندالضرورت ہرن کی طرح جست کرتے تھے اور ایک جست مین ۲۳ ہاتھ تک پھاند جاتے تھے جسم کی کھال ایسی سخت تھی کہ سیاہ بھڑون کے ڈنک تک اس مین اثر نہ کرتے تھے قوت جسمانی مین دس زبردست سے زبردست پہلوان بیک وقت اُن کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے (الفیض الجاری تتمہ کشف المتواری صفحہ ۱۰۸)

نواب محمد خان بنگش عہد محمد شاہ مین محمد خان نواب فرخ آباد شہزوری کے لیے مشہور تھے کسی راجہ کے قلعہ پر حملہ کیا قلعہ کے ایک طرف ایک گہری خندق تھی محمد خان تنہا خندق کو عبور کرکے راجہ کے پاس پہنچ گئے اور اسے قتل کرنا چاہا راجہ مارے خوف کے ایک کوٹھری مین گھس گیا محمد خان بھی اسکے ساتھ کوٹھری مین داخل ہو گئے اور راجہ کو تلوار سے قتل کردیا راجہ کے ملازمون نے دشمن کو کوٹھری کے اندر دیکھکر دروازہ بند کرلیا کوٹھری کے اندر ہوا کی کمی سے محمد خان کا دم گھٹنے لگا اُنھون نے چھت کے ایک شہتیر کو اپنے سر سے اوپر کی طرف اُبھار دیا اس زور آزمائی کے اثر سے ان کے کانون سے خون جاری ہو گیا وہ چھت کے شگاف سے نکلا ہی چاہتے تھے کہ راجہ کی عورتون نے انھین موسلون اور پیتل کے برتنون سے مارنا شروع کیا لیکن وہ چھت کے اوپر پہنچ ہی گئے اور قریب کے ایک درخت کی شاخ سے لٹک کر خندق مین کود پڑے اور پیر کر اپنے لشکر سے آملے اسّی سال سے زیادہ عمر پاکر انتقال کیا (تاریخ فرخ آباد و نوابان بنگش جلد اول صفحہ ۲۶-۲۷) مرنے سے

تین گھنٹے قبل اپنی طاقت کے اظہار کے طور پر تیر و کمان اُٹھایا
اور چھت پر اس زور سے نشانہ لگایا کہ تیر چھت کی کڑی مین گھس گیا
(تاریخ فرخ آبا جلد اوّل صفحہ ۱۳۱) نادرشاہ اور محمد شاہ دونون دربار مین
بیٹھے تھے کہ نواب محمد خان کی باریابی ہوئی اور نادر نے خلعت دیا
ولائتی تلوارین کھینچے کھڑے تھے نادر کی ایرانی فوج اور چند آدمی
محمد شاہ کے میدان مین بُلائے گئے ایک شیخ زادہ شیخوپور کا رہنے والا
محمد خان کے ساتھ تھا اور تیر اندازی مین ماہر تھا نادرشاہ نے ایک
بڑے قد آور ایرانی پہلوان کو بلایا اور محمد شاہ سے کہا کہ اس سے
کون کشتی لڑے گا نواب محمد خان نے اس سے لڑنے کا قصد کیا
لیکن شیخ زادہ نے کہا کہ مین اس سے لڑون گا ایرانی نے کہا
کہ مین اس لڑکے کو نیزہ کی نوک پر اٹھا کر پھینکدون گا بہرحال
دونون حریفون نے ایک دوسرے پر گھوڑے دوڑائے ایرانی
نے کئی دفعہ قصد کیا مگر شیخ زادہ کو چھو نہ سکا آخر ایرانی کا بھالا
شیخ کے بازو مین گھس گیا اور ایرانی نے اسکو گھوڑے کی پیٹھ پر
سے اپنے نیزہ کی نوک پر مثل ایک نٹ کے اٹھا لیا شیخ زادہ
نے اسی وقت ایرانی کے سر پر ایک تیر مارا جو اسکے خود اور زرہ

اور گھوڑے کی پیٹھ سے نکل کے زمین پر گرا۔ ایرانی ایک منٹ
تک اسی طرح نیزہ لیے کھڑا رہا شیخ زادہ نے اسی حالت مین کہ نیزہ
جسم مین بھونکا ہوا تھا بلند آواز سے کہا کہ آؤ اور اس شخص کو
ہٹاؤ اب یہ مردہ ہے نادر شاہ نے شیخ کی تعریف کی اور خلعت
عطا کیا (تاریخ فرخ آباد جلد اوّل صفحہ ۱۲۳-۱۲۴)

مرزا جعفر مرزا یوسف کے بیٹے تھے عہد شجاع الدولہ مین
مرزا جعفر کی عمر بائیس سال کی تھی ایک دفعہ نواب شجاع الدولہ
کے لشکر مین اس شدت سے آندھی آئی کہ اکثر خیمے گر پڑے ایک
بڑے خیمہ مین مرزا جعفر مع اپنے تینون بھائیون کے موجود تھے
جب یہ خیمہ بھی گرنے کے قریب ہوا تو مرزا جعفر نے اپنے بھائیون
سے کہا کہ مین ایک طرف کی چوب کو روکے رہتا ہون اور تم سب
دوسری طرف کی چوب کو روکے رہو چنانچہ ایسا ہی ہوا مرزا جعفر
نے ایسی قوت صرف کی کہ خیمہ کو گرنے نہ دیا جب آندھی رکی
مرزا جعفر نے چوب کو چھوڑا اور زمین پر گرتے ہی راہی ملک بقا
ہوے اسلیے کہ اس زور آزمائی کی بدولت ان کے دونون گردے
پھٹ گئے (قیصر التواریخ جلد اوّل صفحہ ۲۸-۲۹)

محمد غلامی خان نواب یمین الدولہ اور غازی الدین حیدر کے عہد میں ایک مشہور شجاع تھے ایک مرتبہ غازی الدین حیدر نے ایک شیر کو پنجرے سے نکلوا کر حضار کو حکم دیا کہ کوئی شخص اسے تلوار اور چابک سے ہلاک کرے چنانچہ غلامی نے اس شیر کو کوڑون سے مار مار کر ہلاک کر دیا اور اسدالدولہ کا خطاب پایا (طلسم ہند صفحہ ۳۸۶ - ۳۸۷)

شیخ زین الدین حیدر کاکوروی فنون سپہگری میں طاق شجاعت و جوان مردی میں شہرۂ آفاق تھے کوڑیہ کا سگنج کے راجہ کے مصاحبین میں تھے ان کی قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ راجہ کی سواری کا گھوڑا چھوٹ گیا اور کسی طرح پکڑائی نہین دیتا تھا ان کو اس کا علم ہوا تو سر راہ آکر بیٹھ گئے جب وہ گھوڑا بھاگتا ہوا اُن کی طرف آیا تو انھون نے اسکی ٹانگ پکڑ لی جسے وہ باوجود انتہائی کوشش کے چھڑا نہ سکا تیر اندازی مین کمال کا یہ حال تھا کہ مکھی کا نشانہ بنا کر تیر سے چھید دیا کرتے تھے (مشاہیر کاکوری صفحہ ۱۸۱)

شیخ شرافت علی کاکوروی فن تیر اندازی سے خوب واقف تھے

جسمانی قوت اس قدر تھی کہ پانی سے بھرا پُر جسے دو بیل کھینچتے تھے اُنھون نے تنہا کنوین سے نکال لیا (مشاہیر کاکوری صفحہ ۲۰۱)

شیخ عزیز الرحمن عرف شیخ ولی محمد یہ بڑے پہلوان اور شجاع تھے نواب بقاء اللہ خان کی طرف سے پرگنہ چائل کے فوجدار تھے قوت کی یہ کیفیت تھی کہ وہین ایک قلعہ کا سنگین دروازہ جس مین ہاتھی مع عماری جا سکتا تھا اور جو اپنی جگہ سے ایک بالشت ہٹ گیا تھا اور کوئی شخص اسے درست نہین کر سکا تھا اُنھون نے تنہا زور کر کے درست کر دیا اسی طرح لکھنو مین ایک بہت بھاری توپ تھی جسے دو بیل کھینچتے تھے ایک مدت سے زمین مین دھنسی پڑی تھی کسی طرح نہین نکلتی تھی اُنھون نے اسکو نکالا اور اُٹھا کر ملپٹ دیا اسی طرح ایک مرتبہ دلی مین محمد شاہ کے عہد مین نوروز کے دن حکم عام ہوا کہ جو شخص چاہے دیوان عام مین آکر جلسہ دیکھے اس دن کے مجمع کا کیا پوچھنا اندر جانا دشوار تھا اُنھون نے اس دن بہت قوت صرف کی اور مع اپنے احباب خاص کے وہان گئے اور اس طرح سے کہ دو آدمیون کو کندھون پر بٹھایا اور دو کو بغل مین دبایا اور سب کو

لے گئے (مشاہیر کاکوری صفحہ ۲۷۱)

غلام رضا امجد علیشاہ کے عہد مین باہر سے آکر ولیعہد سلطنت واجد علیشاہ کا ملازم ہوا اسنے اپنا زور یون دکھایا کہ شاخ آہو کو قوت دستی سے پارا پارا کیا (طلسم ہند صفحہ ۴۹۶)

فقیر محمد خان شاہ جہان پوری ببول کا درخت جڑ سے اکھاڑ لیتے تھے اور خشک زمین سے ڈھیلے انگلیون سے نکال لیتے تھے غدر سے پہلے مر گئے آخر مین ریاست ٹونک مین ملازم ہو گئے تھے (تاریخ شاہ جہانپور صفحہ ۳۰۳)

دلیر خان یہ عہد شاہی کے بڑے طاقتور بہادرون مین تھے ان کا مقبرہ شاہ آباد ضلع ہردوئی مین ہے ملک دکن کے ایک قلعہ کی تسخیر مین انھون نے ایک قلعہ کے پھاٹک کو جو بند تھا اور نہایت مستحکم تھا لوہے سے جڑا تھا اپنے پنجون سے ایسا زور کیا کہ پٹ کو توڑ ڈالا اور قلعہ کے اندر گھس گئے جو سامنے آیا گردن پکڑکر پھینکدیا جسکو ایک گھونسا مارا اس کا کام تمام ہو گیا جسکا سر دبادیا اس کا بھیجہ نکل پڑا (نامہ مظفری صفحہ ۲۱۴-۲۱۶)

خداداد خان یہ دلیر خان کے شاگرد تھے اور بڑے زور آور تھے

پیرانہ سالی مین کسی نے کہا کہ اب بھی کچھ قوت باقی ہے کہ نہین امتحاناً ایک سوار مضبوط گھوڑے پر سامنے آیا اُنھون نے گھوڑے کا پیر پکڑ کر تھام لیا گھوڑے نے لاکھ زور کیا آگے نہ بڑھ سکا۔

احمد علیخان یہ دلیر خان کے پروتے ایسے شہ زور تھے کہ ایکبار شیر سے مقابلہ ہوا اُنھون نے شیر کے پنجے توڑ ڈالے اور کلائیان پھیر دین اور بیکار کر دین ان کو راجہ نانپارہ کی بیٹی منسوب تھین یہ روپیہ کا نقش مٹا کر گولی بنا دیتے تھے عہد آصفی مین گذرے ہین (نامہ مظفری صفحہ ۳۴۳)

واجد علیشاہ علاوہ اور کمالات کے زور اور طاقت کا یہ عالم تھا کہ چٹکی سے سکّہ کے نقش مٹا دیتے تھے اور سکہ کو دبا کر اس کی گولی بنا دیتے تھے (چمنستان منظفر) کلائی مین یہ زور تھا کہ گھوڑے کو مثل چیونٹی کے اُٹھا لیتے تھے (ظفر نامہ صفحہ ۱۵)

نواب شجاع الدولہ تلوار کی ایک ضرب سے بھینسے کا سر اڑا دیتے تھے اور چٹکی سے مل کر سکّہ کے حروف مٹا دیتے تھے ایکدن دریائے گھاگرا مین نہا رہے تھے کہ ایک گھڑیال نے حملہ کیا نواب سے اور اس سے دو گھنٹے معرکہ آرائی رہی بالآخر

چھری سے گھڑیال کو ہلاک کر ڈالا۔ کاغذ کے تختہ کی طرح سپر کو چیر ڈالنا
ایک معمولی بات تھی نواب صاحب گوسفند کا کلہ چیر ڈالتے تھے
اُن کی شست کا تیر شیر کی پیشانی سے گذر کر دم کی طرف سے
نکل جاتا تھا انتقال سے کئی برس پہلے نواب نے زرہ اور چلتہ
زیب بدن کیا ہتیار لگائے اور شیر کا شکار کھیلنے جنگل تشریف
لے گئے وہان ایک شیر پر حملہ کیا شیر غصہ مین بوجھی سے نکل کر
نواب صاحب کے ہاتھی پر جھپٹا ہاتھی ڈر کر دریا کی طرف بھاگا
اور ایک بلند کگارے سے مع نواب صاحب دریاے گھاگرا
مین گر گیا نواب صاحب ایک بھنور مین پڑ گئے اس نازک
وقت مین زرہ اور چلتہ کو پُرزے پُرزے کر کے پیرنا شروع
کیا کہ دفعتًا ایک مگر نے نواب عالی پر حملہ کیا فورًا نواب نے مگر
کا کلہ چیر ڈالا اور ایک ہی ہاتھ سے مگر کی نعش کو کھینچتے ہوے کامل
ایک پہر کے بعد دریا سے نکلے (طلسم ہند قیصر التواریخ مرقع اودھ شباب لکھنؤ)

مرتضےٰ خان لکھنوی مصاحب گنج مین رہتے تھے عہد واجدی
کے تھے اس قدر قوت تھی کہ بھینسے
کی دم پکڑی اور اندارے مین لٹکا دیا اور پھر کھینچ لیا ایک پہر

جسکو دو بیل کھینچتے تھے انھون نے تنہا کنوین سے کھینچ لیا۔

شیخ حسین علی لکھنوی

کٹرہ ابو تراب خان مین رہتے تھے عہد واجدی کے تھے میرے دادا نواب سید سجاد حسین خان بہادر مرحوم کے ملازم تھے بانا بنوٹ ہلاتے تھے اور بھاری سے بھاری یکہ بلا تکلف ایک ہاتھ سے اٹھالیتے تھے دو تین من کا یکہ اٹھا لینا ان کے نزدیک معمولی کھیل تھا بظاہر دبلے پتلے معلوم ہوتے تھے مگر بانا ہلانے کے نکات اور یکہ اٹھانے کے گن بنوٹ جانتے تھے

مرزا امداد حسین لکھنوی

عہد واجدی مین کپتان (کمیدان) تھے ان کی بقیہ آجتک مفتی گنج مین مشہور ہے یہ امراؤ مرزا صاحب کے دادا جان تھے ایکدن ایک مرکھنا بیل چھوٹ گیا اتفاقاً یہ ادھر سے آرہے تھے لوگون نے منع کیا کہ حضرت اُدھر نہ جائیے مرکھنا بیل چھوٹ گیا ہے اُنھون نے سماعت نہ کی بیل اُنکی طرف جھپیٹا کہ چلا انھون نے بائین ہاتھ مین سپر لیکر اسکی سینگون کو سپر پر روکا لاکھ لاکھ بیل نے زور کیا مگر ان کے ہاتھ کو جنبش نہ ہوئی داہنے ہاتھ سے تلوار کھینچی اور

گھٹنے کو زمین پر ٹیک کر ایک ہاتھ بیل کی گردن پر مارا کہ سر الگ ہو گیا اور دھڑ الگ غدر کے کئی برس کے بعد مرے نبوٹ بھی خوب جانتے تھے۔

مرزا قدرت اللہ بیگ لکھنوی عہد واجدی کے شہ زور اور مفتی گنج کے رہنے والے تھے قوت کا یہ حال تھا کہ بانس کی پوروں کو دونوں مٹھیوں سے پکڑا اور زور کر کے اسکے اندر کے ریشے کھینچ لیے۔ ایک موٹی دہلیز کے لوہے کے کنڈے کو اس زور سے مروڑا تھا کہ دہلیز چرچرا گئی تھی

حافظ الملک حافظ رحمت خان کی زوجہ بہت قوی پٹھانی تھیں جب کسی کنیز یا خواص سے ناراض ہوتیں تو ایک ہاتھ سے اسکی گردن یا شانہ پکڑ کر زمین سے اٹھا لیتیں اور فرماتیں "کیوں شرمائی کم بخت اب تجھے زمین پر ٹپک دوں" ایک مرتبہ حافظ الملک سے کہا کہ خان مجھے کچھ روپیہ دو حافظ صاحب نے فرمایا کہ لے لو مگر جسقدر کہ تم ایک مرتبہ اٹھا کر بالاخانہ پر لیجا سکو چنانچہ سات ہزار روپیہ ایک لگن میں بھر کر بیگم صاحبہ بے تکلف بالاخانہ پر لے گئیں انھیں بیگم صاحبہ کا

ایک اور واقعہ ہے کہ دوران سفر مین رات کے وقت دو چور کسی طرح خیمہ کی قنات چاک کرکے اندر آ گئے ایک پلنگ پر حافظ الملک اور دوسرے پر بیگم صاحبہ آرام فرما تھین چورون کے آنے سے بیگم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی فوراً اُنکے پیچھے دوڑ پڑین ایک چور قنات سے باہر نکل گیا دوسرا نکلنا چاہتا تھا کہ بیگم صاحبہ نے جھپٹ کر اسکی گردن پکڑ لی ہر چند تڑپا لیکن ان کی گرفت سے کب آزاد ہو سکتا تھا اسی دارو گیر مین حافظ صاحب بھی بیدار ہو گئے اور یہ تماشا دیکھکر بہت لطف اندوز ہوئے اور چور کو چھڑا کر سپاہیون کے حوالہ کیا (حیات حافظ رحمت خان صفحہ ۳۰۶ نقش سلیمان صفحہ ۹۸)

رشید خانم لکھنوی عہد واجدی کی تھین نواب ہادی علی خان ساکن مفتی گنج کی والدہ تھین برسات کا زمانہ تھا سب مکان کے صحن مین اپنے اپنے پلنگ پر سو رہے تھے کہ شب کو ایک چور گھر مین آیا کھٹ پٹ سے سب کی آنکھ کھل گئی چور بھاگا اور چاہا کہ جست کرکے دیوار کے اوپر چلا جاؤن خانم موصوفہ نے ایک ہاتھ سے اسکا مونڈھ پکڑ کے اس زور سے

جھٹکا دیا کہ چور کا گٹہ اکھڑ گیا لاکھ لاکھ چور نے جھٹکا دیا مگر نہ چھوڑا جب بہت توبہ تلا کی چھوڑ دیا۔

ساٹھکا قوم کا مغل تھا دربار شاہی مین اسکے کچھ اعزہ ملازم تھے یہ ساٹھ کوس یعنے ایک سو بیس میل ایک دن مین جاتا تھا اور پلٹ آتا تھا کہا جاتا ہے کہ یہ صبا رفتار پیک اسقدر مضبوط تھا تھا اور اسکی ٹانگین ایسی قوی تھین کہ لکھنو سے ساٹھ کوس دریا آباد جاکر ایک ہی دن مین پلٹتا تھا یہی وجہ سے اسکا نام ساٹھکا ہوا۔

اجودھیا سنگہ دریاآبادی عہد شجاع الدولہ کے تھے یہ مضبوط اور بڑے نامی شہزور تھے انگلیون سے روپیہ توڑ دیتے تھے اور اسکے حروف مل کر مٹا دیتے تھے اکیسو سات برس کی عمر مین انتقال کیا۔

نواب پٹھان دریاآبادی عہد امجدی کے تھے دو من پختہ کا بوجھ سعادتگنج سے دریاآباد ساٹھ کوس آسانی لیجانا اُنکے بائین ہاتھ کا کھیل تھا۔

مرزا احمد حسین عہد واجدی مین بڑے طاقتور اور قوی مشہور تھے یہ دوسرے درجہ کے رسالدار تھے

مرزا علی رضا بیگ کوتوال کے بھانجے تھے نواب حضور عالم کی کوٹھی کے سب لٹھے انھین کے چڑھائے ہوئے ہین یہ ہاتھی کے پاٹھے پر بیٹھتے تھے اسقدر گران ڈیل تھے کہ گھوڑا بوجھ نہ اٹھا سکتا تھا ہاتھی کی دم پکڑ لیتے تھے اور آگے نہ بڑھنے نہ دیتے تھے جب ہاتھی کی مستک پر گھونسا مارتے وہ چیخ اٹھتا تھا۔

نواب غالب علیخان لکھنوی عہد شاہی کے تھے یہ بڑے شہ زور تھے مرزا احمد حسین کو قوت مین نیچا دکھا دیا تھا ایکبار تنہا اندار سے سے پانی کا پُر کھینچ لیا ادنی سی بات یہ تھی کہ مگدر کی ایسی جوڑی ہلاتے تھے جس کا وزن تین من کا تھا یہ جوڑی سیسے کی بنوائی تھی غدر کے کئی سال بعد انتقال کیا

میر لچھو لکھنوی مصاحب گنج مین رہتے تھے یہ بڑے قوی پہلوان تھے جو سر سے کیتھا توڑ ڈالتے تھے اور دیوار مین اس زور سے ٹکر مارتے تھے کہ اس مین نشان نیچا تا تھا عہد شاہی کے تھے اور کشتی مین نواب سید فدا حسین خان بہادر مرحوم (میرے دادا جان کے حقیقی بڑے بھائی تھے) کے استاد تھے

حکیم محمد روشن بڑے بہادر تھے فن سپہگری مین کامل تھے

ہمیشہ فوج مین ملازمت کی ایک دن انکے مکان پر ڈاکہ پڑا یہ کوٹھے پر سو رہے تھے شور غل سے آنکھ کھل گئی ڈاکوؤن نے نیچے مشعلین روشن کی تھین انکی روشنی کو دیکھکر یہ سمجھے کہ مکان مین آگ لگ گئی ہے پانی کا گھڑا بھرا رکھا تھا اسے لیکر نیچے اُترے دیکھا کہ ایک ڈاکو اسباب جمع کر رہا ہے اور دوسرے اندر جا جا کر لے آتے ہین انھون نے دور سے پانی کا گھڑا کھینچ کر اس ڈاکو کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور دوسرے کو جوشہ زور تھا دے مارا سب نے اُن پر تلوارون سے حملہ کیا انھون نے خالی ہاتھ ہوتے ہوے بھی سب کو مار بھگایا یہ نواب صفدر جنگ یا شجاع الدولہ کے زمانہ مین تھے (مشاہیر کاکوری صفحہ ۳۴۸)

نواب شہنشاہ دولہ مرزا صادق علیخان بہادر لکھنوی عہد شاہی کے تھے اور اولاد نواب شجاع الدولہ بہادر سے تھے مصاحب گنج کے رہنے والے تھے ان کا معمول تھا کہ ایک ہی جھکاؤ مین ایک ہزار ڈنڈ پیلتے تھے چھٹانک بھر سنکھیا برفی مین ملا کر ڈنڈ کے بعد ناشتہ کے طور پر

استعمال کرتے تھے ایکبار عیش باغ کے میلہ کی سیر دیکھنے گئے خان بہادر
جناب مرزا علی سجاد حسین صاحب ڈپٹی کمشنر ساتھ تھے وہ اپنا
چشم دید واقعہ بیان کرتے ہین کہ چار پہئیہ کی گاڑی تھی اس مین
کوچ باکس بھی لگا تھا کوچ مین گاڑی ہانک رہا تھا اسکے پہلو مین
نواب صاحب کا ٹیرباز بیٹھا تھا اور رفقا سامنے کی سیٹ پر
بیٹھے تھے موتی جھیل کے کنارے میلہ کے شور غل سے گھوڑے
نے بدلگامی کی اور گاڑی جھیل کے اندر چلی شہنشاہ دولہ بہادر
جلدی سے گاڑی پر سے کود ے اور پہیہ کے اندر ہاتھ ڈال کے
آرے کو پکڑ لیا لاکھ لاکھ گھوڑا ابھر کا گاڑی ہل نہ سکی یہان تک کہ
سب آدمی نیچے اُترے اور سائیس نے گاڑی سے گھوڑے کو
کھول لیا اسکے بعد ٹیرباز نے کہا کہ حضور میری کا بک کوچ باکس پر
رہ گئی ہے نواب صاحب نے کہا کہ کابک بھی اتار لیجیے ٹیرباز
گاڑی پر چڑھا اور کابک اُتاری اسکے بعد نواب صاحب نے
ہاتھ نکال لیا اور گاڑی جھیل کے اندر جا رہی۔
دوسرا واقعہ یہ ہے کہ امین آباد سے کسی کا تعزیہ گذر رہا تھا اور
ایک انگریز ٹمٹم پر سوار آرہا تھا کہ باجہ کے شور و غل سے اُس کا

گھوڑا بے قابو ہو گیا اُسنے ہزار روکا لیکن نہ رُک سکا گھوڑے
نے بھاگنا چاہا کہ نواب شہنشاہ دولہ نے جھپٹ کے گھوڑے کا
اگلا ہاتھ اپنی بغل میں دبالیا تین ٹانگین زمین پر اور ایک ٹانگ
گھوڑے کی نواب صاحب کی بغل میں لاکھ لاکھ تڑپا مگر گھوڑا بھاگ
نہ سکا جب تعزیہ بہت دور نکل گیا گھوڑے کی ٹانگ چھوڑدی
انگریز نے نواب صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ اگر وہ اس طرح گھوڑے
کو نہ پکڑ لیتے تو بہت سے آدمی کچل جاتے۔

شہ زوری کا تیسرا واقعہ یہ ہے کہ نواب شہنشاہ دولہ علیل تھے
غسل صحت کے لیے ڈاکٹر نے کہا کہ گرم پانی سے نہاڈالیے بہشتی
دیگ کو لبالب بھر کر چلا گیا نواب صاحب نے ملازم سے کہا
کہ دیگ کو چولھے پر رکھدو اور پانی گرم کردو چار آدمیوں نے ایڑی
چوٹی کا زور لگایا مگر دیگ ہس بھی نہ سکی خود نواب صاحب اُٹھے
اور دونوں ہاتھوں سے دیگ کو پکڑ کے چولھے پر رکھدیا اتنا زور پڑا
کہ دونوں جوتوں کے ٹانکے ٹوٹ گئے مگر نواب صاحب کو پسینہ بھی نہ آیا

فن سپہگری

سلطنت اودھ نے فن سپہگری مین بڑے بڑے کمال پیدا کیئے فن سپہگری مین بعض فن آریہ قوم کے سپہگرون سے نکلے تھے بعض کو بہادران تاتار اپنے ساتھ لائے تھے اور بعض عربون کی یادگار تھے جو ایران مین ہوتے ہوے یہان آئے لکھنؤ مین جن فنون کا رواج تھا اور جنکے باکمال اُستاد یہان موجود تھے وہ حسب ذیل معلوم ہوتے ہین:-

(۱) لکڑی (۲) پٹا (۳) بانک (۴) بنوٹ (۵) کشتی (۶) برچھا (۷) بانا (۸) تیراندازی (۹) کٹار (۱۰) جل بانک۔

بانک اور لکڑی

مرزا محمد امیر خیرآبادی — بانک مین ید طولےٰ رکھتے تھے (آثار یادگار)

مرزا ذوالفقار بیگ — عہد نصیری سے عہد واجدی

تک زندہ رہے لکڑی اور بنوٹ مین مہاراجہ ڈیگیجے سنگھ کے
اُستاد تھے

بھوانی سنگھ چھتری گھائیان اور چھوٹ لڑنے مین استاد تھے
یہ بھی مہاراجہ ڈیگیجے سنگھ کے لکڑی مین اُستاد تھے۔

محمد خان بادل خان سردار سنگھ چندیر بانا اور پٹہ مین یہ تینون
اکمل روزگار تھے

شیخ محمد مہدی بانک مین کامل استاد تھے ایک ہاتھ سے بانک کے
اعمال کرتے تھے (سوانحمری علامہ کنتوری جلد اوّل صفحہ ۲۱۶)

میر لنگرباز رستم خانی کے اُستاد تھے عہد حقیقی مین تھے۔

میر نجم الدین عہد حقیقی مین لکڑی کے اُستاد تھے ان کا معمول
تھا کہ صرف شریفون کو شاگرد کرتے تھے اور شاگرد
کرتے وقت شاہزادون سے دولت اور شریفون سے صرف
مٹھائی لیتے تھے اور سادات بنی فاطمہ کی نذر دیتے تھے۔

میر علی بھکیت اصالت خان بکیت یہ تینون آدمی عہد امجدی
کے کاملین مین سے تھے

خلیفہ مُلّھے ٹپیت اور پرنس سلیمان قدر بہادر کو

لکڑی سکھانے کے لیے مقرر ہوئے تھے۔

گوری پٹے باز یہ غلام رسول کے بیٹے عہد واجدی میں تھے علی مد کے سب سے بڑے استاد مانے جاتے تھے۔

میر فضل علی لکھنوی محمود نگر میں رہتے تھے بانک میں مشہور اُستاد تھے عہد واجدی کی یادگار تھے۔

منصور علیخان بانک کے بہت باکمال استاد تھے جو نواب شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد کی سرزمین پر وارد ہوئے اور نواب نے اُنکے کمال کی قدر کی۔ ایک اور استاد نام نہ معلوم ہو سکا لیکن تاریخون مین ذکر ہے کہ علی مد کے ایک زبردست اُستاد نواب شجاع الدولہ کی قدر دانی کا حال سُنکر فیض آباد چلے آئے جو سرکار سے وابستہ تھے اور نواب صاحب کے انتقال پر نواب بہو بیگم صاحبہ کی سرکار سے وابستہ رہے۔

یحییٰ خان صدیق خان کے بیٹے تھے عہد آصفی مین انھون نے جو کمال اور نام وری رستم خانی مین حاصل کی وہ کسی کو نصیب نہوئی بانک مین بھی اُستاد تھے مولوی مرزا مہدی صاحب صلح اور لنکے

بلٹے حسین مرزا صاحب ساکن مفتی گنج یحییٰ خان کے شاگرد تھے۔

نواب فتحیاب خان عہد آصفی مین رستم خانی کے استاد تھے۔

شیخ نجم الدین۔ ولی محمد خان عہد آصفی مین بانک کے اُستاد تھے

میر بہادر علی عہد آصفی مین بانک کے بمثل اُستاد تھے انکا یہ دعویٰ تھا کہ پلنگ کے نیچے کبوتر چھوڑ دیا جائے اگر وہ نکل جائے تو مین بانک کا اُستاد نہین۔

میر جعفر علی بانک کے فن کے آخری استاد تھے واجد علیشاہ کے ساتھ ٹمیا برج چلے گئے تھے۔

محمد مہدی عہد واجدی مین بنوٹ کے اُستاد تھے نواب معشوق محل کے یہان داروغہ تھے۔

محمد علیخان کٹرہ بزن بیگ کے رہنے والے اور علی مد کے موجد مانے جاتے ہین۔

مرزا احمد بیگ کٹیا کٹیا میرے دادا جان کے ملازم تھے عہد واجدی کے بانکون مین تھے

ایک مرتبہ محلہ شیلو پڑی متصل حسین آباد مین ایک دوسرے لوٹ رہے

سے اور ان سے تلوار چلی انھون نے تلوار ماری اُسنے سینہ پر روکی اور تعریف کی کہ سُبحان اللہ بے مثل ہاتھ پڑا ہے اب اُسنے بھرپور ہاتھ مارا انھون نے بھی سینہ پر روکا اور اسکے بھی ہاتھ کی تعریف کی کہ نہایت کاری ہاتھ پڑا ہے اسی طرح سے انکے اور اُنکے دیر تک تلوار مین لڑائی رہی مرزا نے اتنے ہاتھ روکے تھے کہ سینہ پر تلوارون کے نشان کی ہیکل بنگئی تھی لوگون نے بیچ بچاؤ کردیا اس دن سے مرزا صاحب کٹیا کُٹیا کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

میر ولایت علی یہ عہد شاہی مین گذرے ہین یہ بنّیٹے کے اُستاد تھے اور میر ولایت علی ڈنڈا توڑ کے نام سے مشہور تھے حریف کے ہاتھ مین کتنا ہی زبردست ڈنڈا ہو توڑ ڈالتے تھے۔

نواب وزیر علیخان نواب آصف الدولہ کے لیپالک تھے رستم خان پھکیت کے شاگرد تھے اور فنون سپہ گری کے استاد تھے

میر عشرت علی لکھنو کے باکمال پھکیت تھے اور رستم خان کے شاگرد تھے۔

شیخ ببر فنا تخلص تھا شیخ طاہر باشندہ لکھنو کے بیٹے تھے شہرۂ آفاق پھکیت تھے (سراپا سخن صفحہ ۱۲۹)

مرزا جلیب عہد شجاع الدولہ کے باکمال بانکے تھے فنون سپہگری اور بانک مین جواب نہ تھا۔

کُشتی

فن پہلوانی مین آودھ کی سلطنت مین بڑے بڑے پہلوان گذرے مگر ان کے حالات نام کے ساتھ کم ملتے ہین ایک دو بطور مثال کے پیش کیے جاتے ہین۔

بھوانی بخش دریاآبادی ذات کا برہمن تھا پہلوانی مین مشہور تھا اب سے سو برس پہلے تھا ایکبار کسی چکلہ دار کے نامی پہلوان کو شجاع گنج کے مقام پر نہ صرف پچھاڑ دیا تھا بلکہ اسکے کلّے بھی پھاڑ ڈالے تھے۔

سید مشرف علی عرف جھنڈا میان یہ مشہور پہلوان تلہر کے رہنے والے تھے عہد شاہی مین تھے یہ زور و طاقت مین رستم ثانی مانے جاتے تھے شادی نہین کی ملکھم کا مشہور پیچ ان کی ایجاد ہے۔

برچھا زنی

مہاراجہ ڈگبجے سنگھ تعلقدار بلرام پور تھے ایک شب کو ایک جنگل سے گذر ہوا۔ ایک بڑا کالا نکلا کمر کا درمیان تاک کر مہاراجہ نے برچھی ماری جو سانپ کے وار پار ہوگئی چھید کے زور سے دبایا کہ نہ جاے سانپ نے زور کیا برچھی کا پھل جسم کی چربی سے پھسل کر باہر نکل گیا چوٹ کھایا ہوا سانپ حملہ آور ہوا مہاراجہ پیچھے ہٹے اور ہاتھ سے برچھی کو توڑ کر دو لکڑیاں بنائین اور دونون ہاتھون مین لیکر اُسے پیٹتے پیٹتے ختم کر دیا۔

میر کلو نواب برہان الملک بہادر کے زمانہ مین مشہور برچھیت تھے

میر اکبر علی عہد شاہی مین بعد میر کلو کے مشہور برچھیت تھے

نواب قائم خان بنگش نیزہ بازی مین اپنا جواب رکھتا تھا ایک مرتبہ ایک مرہٹہ رجہ باجی راؤ کا ملازم تھا قائم خان کے پاس نیزہ بازی اور تیر کی آزمائش

کرنے کے واسطے پونہ سے آیا نیزہ بازی کے لیے ایک دن مقرر ہوا
اور شکارپور مین مقابلہ ہوا دو پہر تک نیزہ بازی ہوئی لیکن ایک دوسرے
کا کچھ بنا نہ سکا حسب دستور قوم مرہٹہ اس جوان کے بازو پر سب
کپڑون کے اوپر ایک رومال بندھا تھا قائم خان نے کوشش
کی کہ مین اس رومال کو نیزہ کی نوک سے مرہٹہ کے بازو سے اتارون
قائم خان نے کئی مرتبہ اسے چھو لیا مگر پسینہ کی وجہ سے گرہ بہت
تنگ ہوگئی تھی اس لیے کھل نہ سکی آخر کئی گھنٹے کے بعد قائم خان
نے گرہ کھول کر رومال نیزہ پر اڑا لیا (تاریخ فرخ آباد جلد اول صفحہ ۱۹۳-۱۹۴)
آغا مرزا عہد امجدی مین گذرے ہین پرنس سلیمان قدر کو بنوٹ بنہیتی
سکھانے پر مقرر ہوئے تھے اپنے عہد کے کامل تھے۔

تلوار زنی

مہاراجہ ڈگیجے سنگھ بلرامپور کے تعلقدار تھے ایکبار
اندھیری رات مین افعی خونخوار کا
سامنا ہوا تلوار کھینچکر سر کو سوا ہاتھ چھوڑ کر سانپ کو دو ٹکڑے کیا

مگر سانپ کا سر مہاراجہ کے پیچھے چلا مہاراجہ نے تلوار کے پیلے سے چھید کر اسے ٹھنڈا کر دیا۔

طالب شیر خان لکھنوی عہد شاہی کے بڑے مشہور بانکے تھے اور تلوار کے دھنی تھے

ان سے محمد ابراہیم خان رامپوری سے مقابلہ ہوا طالب شیر خان نے جیسے ہی تلوار ماری ابراہیم خان نے اپنا رومال جسکے کونے میں پیسہ بندھا ہوا تھا کچھ ایسی خوبی سے مارا کہ طالب شیر خان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر چھن سے دور جا گری منہ دیکھکر رہ گئے سب نے ابراہیم خان کے کمال کا اعتراف کیا ابراہیم خان رامپور سے بنوٹ سیکھ کر لکھنؤ آئے اور یہاں اس کا رواج دیا بنوٹ کے استاد تھے عہد شاہی میں تھے (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۱۳۳)

تیراندازی تفنگ زنی

فیض بخش عہد آصفی کے مشہور تیرانداز تھے اُن کے ہاتھ کی صفائی کا یہ حال تھا کہ آصف الدولہ بہادر کے اشارے سے

مرزا حیدر کے والد کو جو ہاتھی پر سوار تھے اس صفائی سے تیر مارا کہ نہ تو کسی نے اُن کو نشانہ لگاتے دیکھا اور نہ مرزا حیدر کے والد کو تیر لگنے کی خبر ہوئی حالانکہ تیر ٹپکے کو توڑ کر نکل گیا تھا گھر پہنچ کر اُنھون نے ٹپکا کھولا تو خون کا فوارہ چھوٹا اور فوراً جان بحق تسلیم ہوئے (گذشتہ لکھنو صفحہ ۱۳۵)

مہاراجہ ڈبے سنگھ نے تیر اندازی کا فن اپنے والد راجہ ارجن سنگھ تعلقدار بلرامپور سے سیکھا تھا راجہ مذکور اس مین کامل تھے۔

نواب آصف الدولہ تیراندازی اور تفنگ زنی مین ید طولیٰ رکھتے تھے۔

نواب علی محمد خان روہیلہ تیر اندازی مین فرد تھے۔

ہادی یار خان میر صدیق علیخان کے بیٹے تھے محمد شاہ رنگیلے کے یہان منصب پانچ ہزاری پر مامور تھے تیر اندازی مین کامل تھے یہ بعد کو بدایون آکر رہے اسکے کمال کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ کسی نے خاک کے اندر پتھر چھپا دیا تھا انھون نے ایسا نشانہ لگایا کہ وہ برآمد ہو گیا اور پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا زمین کے اندر

تیر کو پہونچا دینا دشوار ہوتا ہے لیکن یہ ایسے باکمال تھے کہ انھون نے
اس کمال کو کر دکھایا (لباب التاریخ قلمی فارسی مصنفہ محمد شبیر صفحہ ۴۷)

میرن صاحب تیچ بھیئے

عہد شاہی کے تھے سعادت گنج مین رہتے تھے اور مرتے دم تک
نوابان شیش محل کے ملازم رہے بندوق لگانے مین اپنا جواب نہ
رکھتے تھے عورت نتھ پہنے کھڑی ہے اور انھون نے تاک کر گولی
لگائی نتھ کے اندر سے نکل گئی۔ ایک انگریز ان کے کمال کی تعریف
سُنکر یورپ سے لکھنؤ آیا اور اُسنے کہا کہ شمع کی لو کو جس طرح مین کہون
یہ اڑا دین تو مین اُنکی اُستادی کا قائل ہو جاؤن میرن صاحب نے
کہا کہ مین تیار ہون اس انگریز نے شیشہ کے کنول مین موی شمع
لگائی شمع کو جلایا اُسنے چالاکی یہ کی تھی کہ شمع کی لو کی نوک کو کنول
کے کگارے کے سرے سے ملا دیا تھا میرن صاحب نے گولی
لگائی شمع بجھ گئی اور کنول کو ضرر نہ پہونچا وہ انگریز اُنکی استادی
کا قائل ہو گیا۔

میرن صاحب نے ایک دفعہ یہ کمال دکھایا کہ تیئیس پیسون کی
گڈی بنائی اور بیچ مین اٹھنّی رکھی اور کھڑے ہو کر گولی لگائی تھی

نکل گئی اور گڈی قائم رہی اس سبکی سے گولی لگائی کہ گولی کی ہوا سے
ٹھنی نکالدی بیحد مشکل کام ہے۔ ایکدفعہ میرن صاحب نے اپنا یہ
کمال دکھایا کہ نیم کی پتی کو لپٹی ہوئی صورت سے مٹکے کو لٹا کے اسکے
اوپر چپکا دیا اور گولی ماری پتی کو بیچ سے دو کر دیا اور مٹکے کو ضرر نہ پہنچا
یہ کمال لاٹ صاحب کے سامنے دکھایا تھا میرن صاحب کے
شاگرد امراؤ مرزا صاحب ابھی زندہ ہین۔

ٹھاکر فضل علیخان اکبر پور (ضلع سیتاپور) کے تعلقدار تھے
بیمثل گولی لگاتے تھے ایکدفعہ اپنا کمال
میرن صاحب کو دکھایا وہ یہ ہے کہ ایک مینا درخت پر بیٹھی بول
رہی تھی میرن صاحب نے بندوق مین گولی بھر کر ٹھاکر صاحب
کو دی اور کہا کہ چونچ کے نیچے کا حصہ اڑے ٹھاکر صاحب نے گولی
لگائی مینا گری دیکھا تو حقیقتاً نیچے ہی کی جبڑی اڑی تھی نہایت نازک
نشانہ تھا ٹھاکر صاحب نے گولی کی ہوا سے جبڑی اڑائی تھی۔

نواب جہان پناہ محل بادشاہ کی ایک ممتوعہ بیگم تھین جو
بادشاہ کے بعد مٹیا برج مین انتقال
کر گئین بندوق بیمثل لگاتی تھین بندوق مین گولی بھر کر کسی کوٹھے پر



میرن صاحب پچ بھیئے

کھڑی ہوئین اور آدمی کو بوتلین دین کہ انکے منہ مین کس کے ڈاٹ لگا کر
بھاگا رتی مین پھینکدو آدمی نے تعمیل حکم کی جب بوتلین بہتی ہوئی سامنے
آئین بیگم صاحبہ نے نشانے لگانا شروع کیے سب بوتلین توڑ دین
جب بوتل غوطہ کھاکے ابھرتی تھی فوراً نشانہ لگاتی تھین اور
بوتل ٹوٹ جاتی تھی۔
شہزادی سمان آرا بیگم بھی بندوق بمثل لگاتی تھین یہ دونون بیگمین
فن شہسواری سے بھی خوب واقف تھین۔

پرنس مرزا محمد سکندر قدر تیموری

لکھنوی عہد امجدی کے پیدا تھے میرے حقیقی
ناناجان تھے سرکار انگریزی مین تحصیلداری کے عہدہ پر فائز تھے
ایکبار زمانہ تحصیلداری مین ایک انگریز کلکٹر دورہ پر آیا اور ایک
تالاب پر صاحب بہادر کو نانا ابا مرحوم لے گئے اس تالاب مین
مچھلیان کثرت سے تھین نانا ابا نے کلکٹر صاحب سے کہا کہ بندوق سے
مچھلی کا شکار کھیلیئے کلکٹر صاحب نے بندوق سے کئی نشانے لگائے
اسکے بعد نانا ابا سے کہا کہ آپ بھی لگائیے نانا ابا مرحوم نے بندوق
لی جیون ہی مچھلی نے پانی کیا نانا ابا نے گولی لگائی مچھلی چت ہو گئی

کلکٹر صاحب نے بہت تعریف کی نانا ابا مرحوم شاعر بھی تھے اور تدبیر تخلص کرتے تھے (ولیم بیل کا انگریزی لغت) ۵

شکوہ جفا کا سنکے یہ کہتے ہین ناز سے   کچھ دل لگی نہین جو کسی سے لگائے دل

تدبیر اب یہ سوچے ہین تدبیر خوب ہم   پھر ولنے دین کسیکو اگر پھر کے آئے دل

(سراپا سخن صفحہ ۲۶۴)

مہاراجہ ڈنبجے سنگھ عہد شاہی کے تھے بندوق لگانے مین ایسے کامل تھے کہ ایکبار اندھیرے مین شیرنی کی سانس کی آواز پر گولی لگائی اور ٹھیک نشانہ پڑا۔

حکیم محمد رشید فتحپوری بندوق مین ان کا نشانہ حکمی ہوتا تھا اکثر ڈوری کو معلق کرکے پہلی ہی گولی سے کاٹ دیتے تھے شیشہ پر پھول رکھکر اس خوبی سے گولی لگاتے تھے کہ پھول اُڑ جاتا تھا اور شیشہ کو حرکت نہ ہوتی تھی (حیات ابدی صفحہ ۲۲)

تیغہ داغنا

راجہ محمد کاظم حسین خان بہادر کو فنون سپہگری مین خاص قسم



پرنس میرزا محمد سکندر قدر تیموری

کی لیاقت تھی زمانہ شباب مین یہ مشق تھی کہ پھاٹک مین کل ہتیار
لگائے کھڑے ہین صحن قلعہ مین کوتل گھوڑا چھوڑ دیا گیا وہ اپنے زور
مین دوڑکر پھاٹک سے نکلا کہ یہ اسکی پیٹھ پر تھے ایک مرتبہ شکار
مین نیل گاؤ ایسے تیز رو جانور کو پیش قبض سے زخمی کرکے گرادیا راجہ
صاحب موصوف تپنچہ لگانے مین ایسے قادرانداز تھے کہ چار گولیون
مین گیندے کا پھول نشانہ پر لگا کر اڑا دیتے تھے اس طرح سے کہ پہلے
سے کہدیتے تھے کہ اس گولی مین داہنی جانب کا حصہ اور اس مین
بائین جانب کا اڑیگا گھوڑے کی شناخت مین اتنی مہارت تھی
کہ ایک نظر مین قومیت نسل اور گھوڑے کا مزاج بتا دیتے تھے اور
یہی کمال تلوار کی شناخت مین بھی تھا (آثار یادگار صفحہ ۱۸۲-۱۸۳) ۔

پیراکی

تاریخ مین اور کسی جگہ جل بانک کا ذکر نہین یہ دراصل میر کجان کی
ایجاد ہے اسکو اُن سے اُن کے شاگردون نے حاصل کیا چنانچہ
آج بھی لکھنؤ کے بعض پیراک اس فن سے واقف ہین لیکن لکھنؤ

ے علاوہ کسی دوسرے مقام پر اس کا نام و نشان بھی نہین
گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۱۳۶)

نصیر الدین حیدر شاہ دوم اودھ کو اس فن مین کمال حاصل تھا آپکے استاد میر احمد علی صاحب عرف میر مچھلی تھے

میر مچھلی اپنے زمانہ کے پیراکی کے ماہر اور نصیر الدین حیدر کے اُستاد تھے ایک مرتبہ بادشاہ نے میرک جان کو اپنے اُستاد سے مقابلہ کا حکم دیا حکم حاکم مرگ مفاجات سمجھ کر میرک جان کو میر مچھلی سے مقابلہ کرنا ہی پڑا دیر تک پانی کے اندر دونون استادون کے درمیان جل بانک ہوتی رہی آخر مین میرک جان نے میر مچھلی کو زیر کر کے انھین اپنے پیرون مین باندھ لیا بادشاہ اپنے دودکش بجرے پر سوار تھے دریا کے کنارے دونون استادان فن میرک جان اور میر مچھلی اور انکے شاگردون کا ہجوم تھا بادشاہ نے بجرے کے اندر سے جو نہایت تیز رفتاری سے چلا جا رہا تھا روپیون کا ایک توڑا ہاتھ مین لیکر بلند کیا اور میرک جان اور میر مچھلی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جو ہمارے بجرے کو پیر کر پکڑ لے اسے یہ توڑا دیدیا جائے گا چنانچہ میرک جان نے انتہائی سرعت رفتار

کے ساتھ پیر کر بجرے کو پکڑ لیا اور موعودہ انعام حاصل کیا (ایجاد اکبری یعنی رسالہ پیراکی صفحہ ۲ تا ۵)

میرک جان یا میرن جان شناوری مین کامل تھے مہاراجہ ڈیبی سنگہ کے استاد تھے

میرک جان خواجہ باقی کے شاگرد تھے اور عہد نصیری مین تھے

مولوی مرزا مہدی عہد شاہی کے تھے پیراکی مین انکا کمال یہ تھا کہ دریا مین اُترے اور ایک تیز دوڑنے والے آدمی کو دریا کے کنارے اپنے برابر کھڑا کیا اور اس سے کہا کہ جہانتک تیز دوڑ سکتے ہو دوڑو وہ سر پر پیر رکھکر بھاگا اور انھون نے ملاحی کاٹنا شروع کی اتنی تیز ملاحی کاٹتے تھے کہ وہ بانسون پیچھے رہجاتا تھا اور یہ آگے نکلجاتے تھے عین غدر ۱۸۵۷ء مین بمقام مفتی گنج گولی سے مارے گئے بانک اور لکڑی سے بھی بخوبی واقف تھے انکے بیٹے حسین مرزا صاحب جو شاہی کے پیدا تھے وہ بھی پیراکی اور بانک مین استاد گذرے ہین پرنس سلیمان قدر اور نواب سیف الدولہ بہادر کو پیرنا سکھایا تھا حسین مرزا کے بیٹے سلطان مرزا صاحب جو مٹیا برج مین واجد علیشاہ کے

ملازم تھے فن شناوری اور بانک جانتے ہین دریا مین اس طرح سے غوطہ
لگاتے ہین کہ انھین کوئی چھو نہین سکتا ستر سال کی عمر ہے ضعف بصارت
کی شکایت ہے مفتی گنج مین رہتے ہین پیراکی مین میرے استاد ہین
مگر مین پانی سے بہت ڈرتا ہون۔

میر صفدر علی عہد شاہی کے تھے احاطۂ مرزا علی خان مین یہ رہتے
تھے مشکل پیرائیون کے اُستاد تھے کھڑی ایسی
لگاتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی مین میخ گڑی ہے کیا مجال کہ ذرا
تو جسم کو لغزش ہو جائے ایک وقت مین چھ سات آدمی انکو پانی مین
دباتے تھے مگر یہ ناف تک کھلے ہی رہتے تھے پانی سے بھرا ہوا گھڑا
ہاتھ مین لیا اور اپنے سر پر ڈالنا شروع کیا پورا گھڑا خالی ہو گیا مگر نیچے
نہ دبے جتنا کھلے تھے اُتنا ہی کھلے رہے جل بانک مین بھی بڑے اُستاد
تھے ساتھ آٹھ آدمی دریا مین ایک طرف اور یہ اکیلے ایک طرف
مگر وہ ان کا کچھ نہ کر سکتے تھے واجد علیشاہ کو انھین نے پیرنا سکھایا تھا
میر صفدر علی کلھیا گھاٹ پر نہایا کرتے تھے غدر کے کئی برس بعد لکھنؤ
مین انتقال کیا انکے بڑے بیٹے میر فضل حسین تھے جنھون نے ہز ہائنس
نواب حامد علیخان صاحب جوم والی رامپور کو پیرنا سکھایا تھا اور وہان ملازم

تھے یہ بھی لکھنو مین مر گئے میر صفدر علی کے چھوٹے بیٹے میر رضا حسین
خلیفہ حسین آباد مین رہتے ہین اور ملاحی ایسی لگاتے ہین کہ پانی پہ
لکیر پڑ جاتی ہے ایک مرتبہ تپھری والے تالاب مین کھڑے ہو کر
رضا حسین نے مگدر ہلا کر نواب باقر علیخان بہادر مرحوم رئیس
شیش محل کو دکھائے تھے اب خلیفہ آنکھون سے معذور ہین۔

شیخ بدلو لکھنوی قوم کا حجام تھا عہد واجدی کا تھا ہلکی اور سبک پیرائیون کا استاد تھا پالتھی کی
پیرائی خوب پیرتا تھا صرف پیر کے دونون انگوٹھون سے پانی کو
حرکت دیتا تھا ایک ہاتھ مین گڑ گڑی ہے اور پیتا چلا جاتا ہے
اور کسی بچہ کو گود مین لٹا لیا ہے۔ ڈیوٹ کی پیرائی بہت اچھی
پیرتا تھا یعنی سر سے کمر تک جسم کا حصہ پانی کے اندر ہے اور باقی
حصہ پانی کے اوپر ہے اور پیرتا چلا جاتا ہے۔ بدلو پانی مین بیل
گاڑی بناتا تھا اس طرح سے کہ پچیس تیس آدمی ایک کے پیچھے
دوسرا لگا ہوا ہے اور سب کے آگے خود ہے کبھی ملاحی سے سب کو
کھینچے لیے جاتا ہے کبھی کھڑی سے کبھی کسی اور پیرائی سے غدر کے
بعد حسین آباد کے تالاب مین ہزارون آدمیون کے مجمع مین

یہ کرتب دکھائے جاتے تھے بدلو کھڑی بھی اچھی لگاتا تھا ایسی مشق بہم پہونچائی تھی کہ موضع کانکرآباد سے پکے پل تک (کئی کوس) کھڑی لگاتا چلتا تھا صبح چھ بجے کانکرآباد سے چلا اور چار بجے پکے پل آگیا۔

شیخ عنایت اللہ یہ میرک جان کے ہمعصر تھے اور خواجہ باقی کے شاگرد تھے فن پیراکی میں بیمثل تھے

حاجی احمد علی عرف ننھے مرزا یہ شیخ عنایت اللہ کے شاگرد تھے اور عہد شاہی کے تھے پیراکی کے متعلق طرح طرح کے کمال جانتے تھے۔

مرزا حسین علی تھانیدار تھے اور میرک جان کے شاگرد تھے جل بانک میں فرد تھے۔ میرک جان۔ شیخ عنایت اللہ اور خواجہ باقی کا سلسلہ تلمذ اس فن میں حکیم محمد اشرف خان ابن حکیم محمد شریف خان مخاطب بہ مسیح الزمان دہلوی پر ختم ہوتا ہے جو فن پیراکی کے اُستاد اور اکمل روزگار تھے۔

شیخ عابد علی لکھنوی عہد شاہی کے تھے اور حاجی احمد علی عرف ننھے مرزا کے شاگرد تھے حاجی صاحب ان کو ایسا صاحب کمال سمجھتے تھے کہ اپنے بیٹوں کی موجودگی میں

شیخ جی کو اپنا جانشین بنایا سچ یہ ہے کہ زمانہ شاہی کے پیراکون
کا خاتمہ شیخ عابد علی پر ہوا شیخ مذکور ۱۰ اکتوبر ۲۷ ۱۹ء کو مر گئے اور
موضع بری براون کے باغ مین دفن کیے گئے سو برس کے قریب
عمر پائی شیخ عابد علی شیر کی پیرائی بمثل پیرتے تھے اور ڈیوٹ کی
پیرائی بھی نہایت اچھی پیرتے تھے صفت یہ تھی کہ پانی سے
بھرا ہوا کٹورا پیرون کے تلوون پر رکھ دیا اور یہ پیرتے چلے جاتے
ہین مجال کیا ہے کہ پانی کٹورے سے چھلک تو جائے اپنے جسم کو
بیحد قائم رکھتے تھے ایک خاص صفت عابد علی مین یہ تھی کہ
کنارے پر بیٹھے ہین اور کسی کو ڈوبتے دیکھا بس یاک جھپکتے اسکے
پاس پہنچ گئے اور پھول کی طرح اُٹھا لیا۔ عابد علی دریائی کُشتی یعنی
جل بانک بھی خوب جانتے تھے بہت سے پیچ در پیچ بھی جانتے
تھے عابد علی کھڑی لگانے کے بھی استاد تھے برسات کے موسم
مین جبکہ دریا خوب طغیانی پر ہوتا تھا یہ موضع کانکرا سے دریا مین
اُترے اور اپنے سینہ پر ایک لکیر بنالی اور کھڑی لگاتے چلے
یہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی پر کھڑے ہوے ہین مطلق جسم کو حرکت
نہ ہوتی تھی اور نہ وہ لکیر بھیگنے پاتی تھی غرضکہ اسی طرح کلھیا گھاٹ

تک آتے تھے۔

ایک مرتبہ مولوی سجاد حسین صاحب نے شیخ عابد علی سے کہا کہ
آج کل دریا طغیانی پر ہے دل چاہتا ہے کہ سیر کریں شیخ نے کہا
کہ گئوگھاٹ چلیے چنانچہ مولوی صاحب گئوگھاٹ آئے عابد علی
نے چار گھڑون کی ایک گھرنئی بنائی اور ایک گھڑے کے پیندے
پر مولوی صاحب کو بٹھایا اور دوسرے پر خورشید حسین کو اور تیسرے
پر ابو الحسن کو (مذکورہ تینون حضرات فن شناوری سے ناواقف تھے)
اور چوتھے پر اپنے بیٹے شیخ محمد اسمعیل کو اور خود گھرنئی کو کھینتے ہوئے چلے
کہ ٹوٹے گھاٹ پر دفعتہً گھرنئی غڑپ سے بیٹھ گئی اور چارون آدمی
آپس مین غٹ پٹ ہو گئے عابد علی نے ایک ہاتھ سے مولوی صاحب
کو اور دوسرے ہاتھ سے خورشید حسین کو سنبھالا اور ٹانگ سے
ابو الحسن کو ابھارا اور ایک ٹانگ سے پیرتے ہوئے کنارے
پر آ گئے شیخ محمد اسمعیل پیرنا جانتے تھے اسلیے خود باہر نکل آئے۔

تجارتی فنون

فن بکاولی

بکاولی یا کھانا پکانے کا فن جسقدر شاہان اودھ کے زمانے مین عروج اور ترقی پر پہونچا شاید ہی کسی عہد مین اتنی ترقی کسی سرزمین پر اس فن کو نصیب ہوئی ہو جسقدر کھانے شاہان اودھ کے عہد تک ایجاد ہو چکے تھے ان سب کے بہتر سے بہتر پکانیوالے شاہی عہد مین گذرے اسکے علاوہ اُمرا۔ روساء اور بادشاہ قدردان تھے عہد غازی الدین حیدر مین نواب حسین علیخان ایک سالارجنگی رئیس تھے انکو پلاؤ کا بڑا شوق تھا انکے دسترخوان پر بیسیون طرح کے پلاؤ ہوتے یہانتک کہ وہ نواب حسین علیخان چاول والے مشہور ہو گئے تھے اس درجہ انکو پلاؤ کا شوق تھا کہ روساء و عمائد مین کوئی انسے ہر بارے مین

سبقت نہ لے گیا ایک لکھنوی باورچی نے خشخاش کے دانوں میں
چاروں طرف کٹھل کے سے خار پیدا کیے اور اسے خاص ترکیب سے
پکا کے دسترخوان پر پیش کیا ایک رکابدار مسلّم ہری کیریوں کا مربہ
تیار کرتا اور ان میں ویسے ہی سبز چھلکے اپنی اصلیت پر قائم رہتے
یہ معلوم ہوتا کہ تازی کیریاں ابھی شیرہ میں ڈال دی گئی ہیں۔ کئی
ہزار روپیہ روز کا صرفہ نصیر الدین حیدر اور واجد علیشاہ کے باورچیخانہ
کا تھا صرف شجاع الدولہ کے باورچیخانہ کا صرفہ ساٹھ ہزار روپیہ
ماہوار کا تھا آصف الدولہ کے باورچیخانہ کا خرچ بائیس سو روپیہ
روز کا تھا بارہ سو روپیہ ماہوار اور اس سے زیادہ تنخواہیں اس فن
کے کاملین کو دیجاتی تھیں لذیذ خوشنما اور مقوی کھانے پکانے اور
ایجاد کرنے میں ہزارہا دماغ اور طبیعتیں مصروف ہوتی تھیں جس کا
یہ نتیجہ تھا کہ نئے نئے کھانے عہد شاہی میں ایجاد ہوئے شیرمال اور
باقرخانی خاص نصیر الدین حیدر کے باورچی محمود کی ایجاد ہیں غازی الدین حیدر
نے طرح طرح کے پلاؤ اور بہت سے کھانے ایجاد کیے مثلاً شب دیگ
نان آفتاب اور بڑی روٹی جس کا وزن دو من کا ہوتا تھا اور میوے
اور قند سے تیار کی جاتی تھی غازی الدین حیدر کھانوں کے بہت

شوقین تھے اُن کا باورچی چھ پراٹھے روز اُن کے لیے پکاتا تھا
اور تیس سیر گھی لیا کرتا تھا اور بہت نفیس پراٹھے پکاتا تھا نواب
معتمد الدولہ نے گھی کم کرکے پانچ سیر کر دیا باورچی نے معمولی پراٹھے
پکا دیے بادشاہ نے باورچی کو بلوا کر اس سے دریافت کیا کہ یہ آج
کیسے پراٹھے پکائے ہین اُسنے عرض کیا کہ جیسے پراٹھے معتمد الدولہ
بہادر نے حکم دیا ویسے پکائے گئے معتمد الدولہ بلائے گئے انھون نے
کہا کہ یہ باورچی بہت لوٹتا ہے یہ سُنکر بادشاہ معتمد الدولہ پر بہت
ناخوش ہوئے اور ان کو زدوکوب کیا اور کہا کہ تم نہین لوٹتے ہو
اگر اُسنے چند سیر گھی لے لیا تو یہ تمکو ناگوار ہوا۔ اودھ کے پرتکلف انواع
اقسام کے کھانون کے نام اتنے ہین کہ کم لوگون نے سُنے ہون گے پھر
ہر ایک قسم کے کھانون کے اندر پچاسون قسمین ہوتی تھین پرنس
عظیم الشان بہادر نے ایک شادی کے موقع پر سمدھی ملاپ کی
دعوت کی تھی جسمین واجد علیشاہ شریک تھے اس دعوت مین دسترخوان
پر نمکین اور میٹھے کل ستر قسم کے چانول تھے اس طرح صدہا اقسام
کبابون کی ہین یہ سب رعایا اور اہل کمال کی پرورش کے حیلے تھے
جو بظاہر اس شان سے رونما ہوتے تھے عہد شاہی کے چند باورچی

اور رکابداروں اور روساء کے حالات اور بعضون کے کمالات کا
ذکر دلچسپی سے خالی نہین امیرون کا شوق اور قدر دانی دیکھکر
باورچیون نے کھانون مین نفاست اور جدت شروع کی ایک باورچی
نے اناردانہ پلاؤ ایجاد کیا اسمین ہر چاول آدھا یاقوت کی طرح سرخ اور
جلادار ہوتا تھا اور آدھا سفید لیکن اس مین بھی شیشہ کی طرح چمک موجود
ہوتی تھی جب دسترخوان پر رکھا جاتا تو معلوم ہوتا تھا کہ پلیٹ مین
ابلق رنگ کے جواہرات رکھے ہین ایک اور باورچی نے نورتن
پلاؤ پکا کے پیش کیا جس مین نورتن کے مشہور جواہرات کے مثل
نو رنگ کے چاول ملا دئے اور پھر رنگون کی صفائی آب و تاب
و نفاست عجیب لطف پیدا کر رہی تھی اسی طرح موتی پلاؤ کی شان
ہوتی کہ یہ معلوم ہوتا کہ چاولون مین آبدار موتی ملے ہوے ہین اسکے
تیار کرنے کی یہ ترکیب تھی کہ تولہ بھر چاندی کے ورق اور ماشہ بھر
سونے کے ورق انڈے کی زردی مین خوب حل کیے جاتے
پھر اس حل شدہ مرکب کو مرغ کے نرخرے مین بھر کے ہر جوڑ پہ
باریک تاگا کس کے باندھ دیا جاتا اور اُسے خفیف سا جوش دیکر
چاقو سے نرخرے کی کھال چاک کر دی جاتی اور سڈول آبدار موتی

نکل آتے جو پلاؤ مین گوشت کے ساتھ دم کر دیے جاتے بعض کابا
پنیر کے موتی بناتے اور اُسپر چاندی کا ورق چڑھا دیتے لکھنؤ مین ایسی
جدتین خیال مین آتین جو اور کسی جگہ خیال مین بھی نہ آئی ہونگی۔ ایک کابلہ
نے پلاؤ کی تیاری مین یہ صنعت دکھائی کہ گوشت کی چھوٹی چھوٹی
چڑیان بنا کے اور خوب احتیاط سے اس طرح پکایا کہ صورت نہ بگڑنے
پائے اور پلیٹ مین بٹھا دیا چاولون کی صورت دانہ کی کر دی معلوم
ہوتا تھا کہ ہر مہمان کے سامنے پلیٹ مین چڑیان بیٹھی دانہ چگ رہی
ہین۔ لکھنؤ کے ایک رکابدار نے یہ صنعت دکھائی کہ دسترخوان پر
بڑے بڑے سیر سیر بھر کے انڈے اُبلے اور تلے ہوے پیش کیے جنمین
سفیدی اور زردی اسی نسبت سے قائم تھی جو معمولی انڈون مین
ہوا کرتی ہے۔ ایک دوسرے رکابدار نے بادام کا سالن پکایا جو بعینہ
سیم کے بیجون کے مثل اور مزے اور لطافت مین اس سے بڑھا ہوا تھا
پلاؤ اور بہت قسم کے ہوتے ہین مثلاً نور پلاؤ۔ کوکو پلاؤ۔ موتی پلاؤ۔ چنبیلی
پلاؤ۔ گلزار پلاؤ۔ اناناس پلاؤ وغیرہ اسی طرح شیرمال کی بہت سی قسمیں
ہوتی ہین مثلاً شیرمال۔ باقرخانی۔ گاؤزبان۔ تافتان۔ کلچہ یا کلیچہ وغیرہ
کباب کے بھی بہت سے اقسام ہین جیسے کباب گل۔ کباب خوش نمک

کباب سنگ۔ کباب ورق وغیرہ۔
جب وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل لکھنؤ مین آئے ہین اور نواب آصف الدولہ نے انکی دعوت کی ہے تو انواع اقسام کے کھانے زینت دسترخوان تھے (ذکر میر صفحہ ۱۴۴)

باورچی

علی بخش لکھنوی نصیر الدین حیدر کے وقت مین شاہی باورچی خانہ مین ملازم ہوا زمانہ امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ مین بڑی شہرت حاصل کی بعد انتزاع سلطنت اودھ ہز ہائینس نواب محسن الدولہ بہادر کا ملازم ہوا پھر پرنس ممتاز الدولہ بہادر کا ملازم ہوا بعد اسکے داروغہ میر واجد علی کے یہان نوکر ہوا آخر مین حامد علیخان صاحب بیرسٹر کا ملازم ہوا کھانے بے مثل پکاتا تھا ایکدن بیرسٹر صاحب نے اس سے پوچھا کہ اروی کتنی طرح سے پکا سکتے ہو اسنے کہا کہ فی الحال اسقدر عرض کر سکتا ہون کہ سال بھر دونون وقت اروی پکا سکتا ہون اور ہر مرتبہ نئی ترکیب سے قریب ننانوے سال کی عمر مین ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء لکھنؤ مین انتقال کیا (حیات مولانا کرامت حسین)

نواب سالار جنگ کا باورچی نواب سالار جنگ نواب بہو بیگم صاحبہ کے حقیقی بھائی تھے نواب صاحب کے باورچی کی تنخواہ بوجہ اسکے کمال کے بارہ سو روپیہ ماہوار تھی خاص نواب صاحب کے لیے وہ ایسا بھاری پلاؤ پکاتا تھا کہ سوا انکے کوئی ہضم نہ کرسکتا تھا یہ باورچی عہد شجاع الدولہ میں فیض آباد میں تھا۔

عہد نصیری کا باورچی ایک باورچی پستہ اور بادام کی کھچڑی پکاتا تھا بادام کے سڈول اوصاف ستھرے چاول بناتا تھا پستہ کی دال بناتا تھا اور اس نفاست سے پکاتا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ نہایت نفیس کھچڑی ماش کی کھچڑی ہے مگر کھائیے تو ایسی لذت کہ عمر بھر زبان مزہ یاد رکھے (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۲۰)

نواب یمین الدولہ کا باورچی چاولوں کی گلتھی پکاتا تھا جو نوابی دسترخوان کی رونق ہوتی تھی۔

عالم علی پرنس خورم بخت یحییٰ علیخان کا باورچی تھا مسلم مچھلی ایسی بیمثل پکاتا تھا کہ تمام رئیسوں میں مشہور تھی دوسرے باورچیوں نے ہزار کوشش کی مگر ویسی نہ پک سکی (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۲۱۳)

نواب ابوالقاسم خان عہد سعادتی میں نہایت شوقین رئیس تھے

جو خود بیمثل پلاؤ پکاتے تھے چونتیس سیر گوشت کی یخنی تیار کر کے مقطر کرتے تھے اور اس مین چاول دم کیے جاتے اور کھانے مین یہ کیفیت ہوتی تھی کہ لقمہ منھ مین رکھتے ہی یہ معلوم ہوتا تھا کہ سب چاول خود ہی گھلکر حلق سے اتر گئے لطافت کا یہ عالم کہ کیا مجال جو کسی قسم کی گرانی محسوس ہو (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۲۱۱)

روشن الدولہ کا باورچی روشن الدولہ نصیر الدین حیدر کے وزیر تھے ان کا باورچی کچے بھٹون کے چھلکے اس نفاست سے کاٹتا تھا کہ کہین سے ٹوٹنے نہ پاتے تھے اور ان کا رائتہ ایسا اعلی درجہ کا بناتا تھا کہ جو چکھتا عش عش کرجاتا (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۲۱۶)

شیخ حسین علی دہلوی پرنس مرزا آسمان قدر بہادر تیموری کا باورچی تھا شہزادہ موصوف عہد واجدی مین بنارس سے لکھنؤ آئے واجد علیشاہ نے انکی دعوت کی تو دسترخوان پر ایک مربہ لاکے رکھا گیا جو صورت مین نہایت نفیس اور مرغوب معلوم ہوتا تھا یہ مربہ واجد علیشاہ کے باورچی کا تیار کیا ہوا تھا جب مرزا آسمان قدر نے اس کا لقمہ کھایا تو چکرائے اسلیے کہ وہ مربہ نہ تھا بلکہ گوشت کا نمکین قورمہ تھا آسمان قدر کو ندامت ہوئی اور بادشاہ

خوش ہوے چند دن کے بعد شہزادہ صاحب نے واجد علیشاہ کی دعوت کی بادشاہ یہ خیال کر کے آئے تھے کہ مجھے بھی ضرور دھوکا دیا جائیگا مگر ہوشیاری پر بھی دھوکا کھا گئے اسلیے کہ شیخ حسین علی نے یہ کمال کیا تھا کہ گو دسترخوان پر صدہا الوان نعمت اور قسم قسم کے کھانے چنے ہوے تھے پلاؤ۔ بریانی۔ قورمہ۔ زردہ۔ کباب۔ ترکاریاں چٹنی۔ اچار۔ روٹیاں۔ پراٹھے شیرمالین وغیرہ مگر واجد علیشاہ نے جس چیز کو چکھا وہ شکر کی بنی تھی سالن تھا تو شکر کا چاول تھے تو شکر کے اچار تھا تو شکر کا اور روٹیاں تھین تو شکر کی یہانتک کہ برتن دسترخوان سلفچی آفتابہ تک شکر کے تھے بادشاہ گھبرا گھبرا کر ایک ایک چیز پر ہاتھ ڈالتے تھے اور دھوکے پر دھوکا کھاتے تھے حسین علی لکھنو مین دفن ہے۔

مرزا کبابیہ عہد شاہی کا یہ واقعہ ہے کہ محلہ نہرہ مین عتیق اللہ کے امام باڑہ کے متصل اسکی دوکان تھی ایسے لذیذ اور معطر کباب بناتا تھا کہ بادشاہ کے باورچی خانہ مین بھی ایسے کباب نہ ہوتے تھے پانچ سیر بکری کے گوشت کا قیمہ دن بھر مین درست کر کے شام کے وقت وہ ٹکیہ کے کباب فروخت کرتا تھا پانچ تولہ سے زیادہ کا کباب نہ ہوتا تھا اور ایک پیسہ قیمت ہوتی تھی زعفران اور تازہ گھی

ڈالتا تھا (سوانح عمری علامۂ کنتوری جلد اوّل صفحہ ۳۱۲)

شیخ حیدر بخش عہد واجدی کا باورچی تھا جو تین سال ہوئے لکھنؤ میں مرگیا بچا نوے سال کے قریب اسکی عمر تھی نواب مرزا محمد باقر علیخان بہادر مرحوم رئیس شیش محل کا ملازم تھا ایکبار نواب مرحوم نے نواب سید بنیاد حسین خانصاحب جاہ مرحوم کو دو خوان کھانے کے بھیجے تھے جسمین کل کھانا مونگ کی دال کا تھا روٹیاں اروہی کا سالن پراٹھے کباب پلاؤ وغیرہ یہ سب حیدر بخش نے مونگ کا بنایا تھا حیدر بخش انار پلاؤ اور شریفہ پلاؤ پکاتا تھا اگر اصلی اناروں اور شریفوں میں ملاکر اسکے ہاتھ کا بنایا ہوا شریفہ اور انار رکھدیجیے تو کوئی پہچان نہ سکتا تھا کئی بار اس کا امتحان ہوچکا ہے حیدر بخش تین سو ساٹھ قسم کی روٹی پکانا جانتا تھا ہاتھی کان روٹی ایسی پکاتا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہاتھی کا کان کٹا رکھا ہے اور کھاؤ تو کسی قسم کی گرانی نہیں حیدر بخش تنکی ہمثیل پکاتا تھا کہ ذرا سی ٹھیس میں ٹوٹ جاتی تھی میں نے خود اسکے ہاتھ کی تنکی نمش کے ساتھ کھائی

شیخ فرحت اللہ عہد واجدی کا باورچی تھا حسین آباد میں رہتا تھا کوئی پندرہ سال کا عرصہ ہوا کہ مرگیا

لقمیان بمثل بناتا تھا روے کی لقمی اس طرح کی بناتا تھا کہ جلیسے چوسر کی گوٹ ہوتی ہے لقمی کے اندر باریک کٹا ہوا بکری کے گوشت کا قیمہ تلا ہوا بھرتا تھا اور لقمی کے اوپر زعفران لگاتا تھا ایک روپیہ کی ڈھیر بھر دیتا تھا ادھر لقمی مُنھ مین رکھی اور اُدھر حلق کے اندر گئی فرحت اللہ آم کے پراٹھے دودھ کی روٹی ہوا کی روٹی خوب پکاتا تھا عم معظم نواب سید احمد حسین خان عرف محمد نواب صاحب کے لیے اکثر پکا کر لایا کرتا تھا ایک بار لکھنؤ کے کسی معزز شخص سے لاٹ صاحب نے فرمائش کی کہ ہمنے لکھنؤ کے باورچیون کی بہت تعریف سُنی ہے مگر اُنکے ہاتھ کی تیار کی ہوئی کوئی چیز نہین کھائی اُن حضرت نے فرحت اللہ سے کہا کہ کوئی چیز لاٹ صاحب بہادر کے لیے تیار کرو فرحت اللہ نے کہا کہ ایک پوری پکاؤن گا کہ لاٹ صاحب بہادر بہت محظوظ ہونگے فرحت اللہ بندر کا ایک بچہ لایا اور اسکو افیون پلانا شروع کی اور گھنٹہ دو گھنٹہ اسکو بالکل خاموش بیٹھنے کی عادت ڈالی جب وہ اس کا عادی ہوگیا تو فرحت اللہ نے ایک بڑی سی پوری پکائی جو ایک بڑی قاب مین رکھی تھی اور پوری کا چھلکا خوب پھولا ہوا تھا پوری کے خلع مین بندر کے بچہ کو افیون پلا کر

بٹھا دیا قاب لاٹ صاحب کے سامنے میز پر رکھی گئی لاٹ صاحب
نے چھری اٹھا کر پوری کو کاٹا جیون ہی چھری کی رگڑ بچہ کے سر پر
لگی قین قین کرتا ہوا بھاگا لاٹ صاحب بہت محظوظ ہوئے فرحت اللہ
نے دوسری قاب میم صاحبہ کے سامنے پیش کی میم صاحبہ نے چھری
سے پوری کو تراشا تو اس مین سے لال نکل کر چون چون کرتے اڑ گئے
لاٹ صاحب نے سو روپیہ اور ایک شالی رومال فرحت اللہ
کو انعام دیا

نواب سلطان دلھن صاحبہ

نواب افضل الدولہ سید
احمد حسین خان بہادر کی صاحبزادی اور میری حقیقی دادی جان
تھین عہد واجدی کی تھین ۱۹۱۸ء مین انتقال فرمایا کربلائے
تال کٹورہ مین دفن ہوئین مین نے آج تک ایسی نفیس اور پاکیزہ اردو زبان
کسی کو بولتے نہین سنا جیسی دادی امان مرحومہ کی زبان تھی اور نہ اس
نفاست اور پاکیزگی سے کسی ہندوستانی کو کھانا کھاتے دیکھا مجھے
حسرت رہ گئی کہ کبھی تو نوالہ بنانے مین انگلیون کی دو پورون سے
زیادہ جناب مرحومہ کی بھرین۔ ایک مرتبہ مرحومہ نے گلتھے کے کباب
ایجاد کیے اور جناب بڑے چچا صاحب قبلہ کی معرفت نواب باقر علیخان صاحب

رئیس شیش محل کو بھجوائے نواب مرحوم نے نوش کیے مگر مطلق نہ پہچان سکے کہ کباب کا ہے کے بنے تھے وہ یہی سمجھے کہ ماہی توے کے گوشت کے کباب ہین جب بڑے چچا صاحب سے اصلی کیفیت معلوم ہوئی تو فرمائش کر کے دوبارہ پکوائے اور کھائے ان کبابون کے پکنے مین پندرہ سولہ گھنٹے صرف ہوتے ہین لیکن گھی نہایت عمدہ ہونا چاہیے اور زیادہ بھی صرف ہوتا ہے۔

لطیف عہد شاہی مین لکھنؤ بھی آیا تھا کشمیر مین ایک مقام زر لوہر وہان کا رہنے والا تھا کھانا پکانے مین اسکی خوب شہرت تھی اس کا اصلی نام چھمی رام تھا لیکن لطیف کے نام سے مشہور ہوا (سیر کشمیر صفحہ ۱۵)

رکابدار

نبی بخش لکھنوی محلہ پارہ کا رہنے والا تھا آم کی کچی قاشین ایسی گودتا تھا کہ مرتبہ بننے پر قاش مسلم رہتی تھی اور مطلق سکڑتی نہ تھی (حیات کرامت حسین صفحہ ۲۳)

پیر علی لکھنوی عہد نصیری مین نواب قدسیہ بیگم کا ملازم تھا اسنے پھولے ہوئے سموسے سب سے پہلے ایجاد کیے جنھین سے توڑتے ہی لال نکل کے اڑ جاتے پیر علی مٹھائی کا انار بناتا تھا

جسمین اوپر کا چھلکا اندر کے دانے انکی ترتیب اور انکے بیچ کے پردے سب
اصلی معلوم ہوتے دانون کی گٹھلیان بادام کی ہوتین ناسپاتی کے عرق کے
دانے ہوتے دانون کے بیچ کے پردے اور اوپر کا چھلکا دونون شکر
کے ہوتے پیر علی خاص طور کی دال پکاتا تھا جسکو سلطانی دال کہتے
تھے غدر کے بعد پیر علی حضور نظام کے باورچیخانہ مین ملازم ہوا (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۲۱۶)

واجد علیشاہ کے آخری عہد کا رکابدار جب بادشاہ مٹیابرج مین رونق افروز تھے تو ایک باورچی نے ایک
باغ مین نارنگی کے درخت مین چند نارنگیون مین اس کمال کے ساتھ شیرہ اتار دیا
تھا کہ معلوم نہوتا تھا جب بادشاہ نے نارنگی توڑی اور رکابدار نے چھیل کر
قاش پیش کی اور بادشاہ نے نوش کی تو لب بندھنے لگے سونگھنے مین اس
نارنگی سے بھینی بھینی نارنگی کی خوشبو بھی آتی تھی نارنگیان ذائقہ مین اصلی
نارنگی کی طرح کی تھین اور رنگ روپ اور رس کسی بات مین مطلق فرق نہ تھا
نہ کہین سے یہ معلوم ہوتا تھا کیونکہ رس مین شیرہ ملایا ہے کوئی نشان تک نہ تھا

شیخ اکرام علی شیخ محمد واصل سہارنپوری کے بیٹے تھے شیخ واصل کافی
تخلص کرتے تھے عہد آصفی مین لکھنؤ آئے محمد واصل
سنی المذہب شریف خاندان سے تھے مکتب پڑھایا کرتے تھے نواب

اصف الدولہ نے انکو عطیہ مین زمین قیام کے لیے دی پکے پل کے اس پار موضع
روپ پور کھیرا مین پرانی بانس منڈی ہے یہین انکو زمین دی گئی انھون نے
اپنے بیٹے شیخ اکرام علی کو رکابداری کا پیشہ عہد نواب یمین الدولہ مین یاد
کروایا اور انکے اُستاد شیخ شہاب و شیخ کلن۔ دلدار خان تھے جو عہد سعادت
کے بہت مشہور رکابدار تھے شیخ اکرام علی نے غازی الدین حیدر کی ملازمت
اختیار کی اور عہد واجدی تک شاہی ملازم رہے اکرام علی نے غازی الدین حیدر
کی فرمائش سے مصری کی روٹی پکائی تھی اور اس کا نام نان مصری رکھا تھا
اور نان بادام بھی پکا کر بادشاہ کو کھلائی تھی اکرام علی اشرفی اور روپیہ کا
مربہ بناتا تھا تیار ہونے پر نقش و حروف ٹوٹتے نہ تھے بلکہ جس عہد اور سن کا
جو سکہ ہوتا تھا وہ پڑھ لیا جاتا تھا کھانے مین کسی قسم کی گرانی معلوم نہوتی
تھی نہ وہ کشتہ کا کام دیتا تھا بلکہ جسطرح اور چیزون کے مربے ہوتے تھے
ویسا ہی یہ بھی ہوتا تھا ناگپور کی نمائش اور کلکتہ کی نمائش جو سنہ ۱۸۸۱ء
مین ہوئی تھی اور نمائش لکھنؤ مین تمغے اور سارٹیفکٹ ملے جو اکرام علی کے
پوتے شیخ اعظم علی رکابدار کے پاس ابتک موجود ہین کلکتہ کی نمائش مین
انڈے کی زردی کو اُبال کر دودھ کے ذریعہ سے بساہند کو دفع کیا اور زردی
پر کارچوب بنایا اور اچاری مین مع شیرہ رکھکر بھیجا وہان کھایا گیا اور نہایت

لذیذ ثابت ہوا اور کچھ گرانی معلوم نہوئی دوسرا مرتبہ آم کی پھانکون کا تیار
کرکے بھیجا ایک پھانک پر سونے سے مصرع لکھا اور دوسری پھانک پر
چاندی سے یہ شعر لکھا کہ ؎

زبان شیرین ہی حکام ملک گیش لیا تدبیر سے سارا جہان ہے

اس قاش کو دیکھکر انگریز پھڑک اُٹھے اور بہت خوش ہوے ۱۸۹۵ء یا
۱۸۹۶ء مین شیخ اکرام علی مر گئے تکیہ تارن شاہ (لکھنو) مین دفن ہوے
شیخ اکرام علی ایک ایسی روٹی پکاتا تھا کہ جس مین کئی مزے ہوتے تھے
یعنی ایک طرف سے روٹی کو کھائیے تو میٹھی دوسری طرف سے کھائیے
تو نمکین تیسری طرف سے معمولی روکھی روٹی کا ذائقہ چوتھی طرف سے سلونی
یہ بالائی کی گلوری ایسی بناتا تھا کہ اصل اور نقل مین مطلق فرق نہوتا تھا
اسکے اندر میوہ بھرتا تھا اور بالائی کے اوپر کی پرت کی گلوری بناتا تھا
اور پستہ کی کیل لگاتا تھا سبز رنگ ایسا دیتا تھا کہ پان معلوم ہوتا تھا

شیخ فدا علی لکھنوی عہد واجدی کا رکا بدار تھا سرائے معالیخان
مین اس کا مکان تھا عہد انگریزی مین اسنے اپنا کمال
دکھایا تھا مشہور ہے کہ فدا علی نے شیشہ کا ایک کنول بنا کر میز پر رکھا
اور لاٹ صاحب کو دکھایا لاٹ صاحب نے فرمایا کہ تمنے شیشہ کو نہایت

صفائی سے ڈھال کرنا یا ہے اور کوئی بات ہمین قابل تعریف نہین
فدا علی نے مومی شمع کنول مین لگا کر دیا سلائی سے جلائی روشنی
نہایت صاف تھی پندرہ منٹ کے بعد بجھا دیا اسکے بعد کنول کا گگارا
چٹکی سے توڑا اور لاٹ صاحب سے کہا کہ حضور اسے نوش فرمائین لاٹ صاحب
نے فرمایا کہ ہم شیشہ نہین کھاتے خود فدا علی نے لاٹ صاحب کے
سامنے چبا کر کھایا اور دیگر حضرات کو کھلایا اور لاٹ صاحب سے
کہا کہ کنول حضور کی نذر ہے یہ پورا کنول مصری کا بنایا تھا لاٹ صاحب
نے فرمایا کہ کمال کی حد کر دی اور انعام مرحمت فرمایا۔

ایک فرانسیسی یہ رکابدار عہد نصیری مین شاہی مطبخ کا مہتمم تھا۔

خیر اللہ عہد نصیری مین خصوصیت سے ادرک کا لچھا کاٹنے کا استاد تھا

نواب سید محمود حسین خان بہادر طباطبائی میرے پردادا تھے عہد واجدی مین ناصری پلٹن کے
کمیدان تھے آم کی کیری ایسی چھیلتے تھے کہ اگر مرغی کے انڈون مین ملا کر رکھدی
جاتی تھی تو کوئی پہچان نہ سکتا تھا اُنھون نے اپنے چھوٹے بیٹے نواب سید
سجاد حسین خان کو کیری کا چھیلنا سکھایا تھا اور ان مین بھی یہی کمال تھا
نواب محمود حسین خان صاحب خوشخط تھے اور تربوز کی قندیل بناتے تھے

اس طرح سے کہ تربوز کو کھوکھل کرکے اسکے چھلکے کے اوپر چاقو کے مہین
پھل کی نوک سے طغرے بناتے اور جانور مثل گھوڑا ہاتھی وغیرہ بناتے
دیولی مین تیل بھر کر بیچ مین رکھتے اور جلا دیتے روشنی مین جانور اور لکھائی
صاف نظر آتی تھی۔

نواب مرزا مہدی سالار جنگ کے خاندان سے تھے عہد واجدی
کے تھے مصاحبگنج مین رہتے تھے کنوین کی جگت پر اکڑون بیٹھے اور بیر
کو چھیلنا شروع کیا اسقدر مہین چھلکا اتارتے تھے کہ کنوین کے اندر چھلکا
لٹک جاتا تھا۔ چالیس سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ مر گئے۔

قنّادی

حسینی عہد نصیری مین حلوا سوہن پپڑی حبشی دودھیا کا مشہور قنّاد تھا
نورا عہد نصیری مین مثل للّو کے صاف بالائی بناتا تھا اور نہایت شیرین
مسماۃ امیرن عہد واجدی مین بیمثل حلوا بنانیوالی گذری ہے (ظفر نامہ صفحہ ۱۲)
کلو عہد واجدی مین ریوڑیان بنانے مین مشہور تھے۔
گیندو آتما حلوائی کا بیٹا تھا اور سندیلہ کا رہنے والا تھا یہ خوش مزہ
لڈو تیار کرنے کا استاد تھا یہ بات اسنے اپنے نانا سے ورثہ مین پائی تھی

جس کا نام ٹھکری تھا (سوانح عمری مظہر علی صفحہ ۳۴۳)

خیّاطی

لباس کی تراش خراش اور نفاست کا نمونہ آج بھی لکھنؤ مین بہت
کچھ نظر آتا ہے اس سے شاہی وقت کے اس فن کی ترقی کا ثبوت
ملتا ہے بڑے پائیچون کا پائجامہ جو انگریزون کے سائے کی نقل ہے
نصیر الدین حیدر کے عہد کی ایجاد ہے بادشاہ نے اسکو پہنا جسکی وجہ
سے اکثر وضعدار ان شہر کی بھی یہی وضع ہو گئی بعد کو بہت لمبے لمبے
پائیچون کا پائجامہ مردون سے چھوٹ گیا مگر معزز بیگمیں آجتک کئی کئی
گز کے پائیچون کے پائجامے پہنتی ہین۔ پنجگوشیہ ٹوپی بھی نصیر الدین حیدر
کی ایجاد ہے۔

واجد علیشاہ نے قبۂ نور اور جامۂ حسن کے نام سے دو نئے قسم کے لباس
ایجاد کیے گردن سے قدم تک اسمین شکنین ہوتی تھین اور قبۂ نور ایسا
لباس تھا کہ کاندھے پر بال ہما لگاتے تھے (ظفر نامہ صفحہ ۱۳۱)

واجد علیشاہ نے اپنے دربار کے خطاب یافتہ معززین کے لیے ایک

نئی اور عجیب قسم کی درباری ٹوپی ایجاد کی اس کا نام عالم پسند (جھولا)
تھا غازی الدین حیدر نے ایک مندیل نئی قسم کی ایجاد کی تھی۔
بشپ ہبر ۱۸۲۴ء مین بطور سیاح کے ہندوستان مین آیا اُسوقت
غازی الدین حیدر لکھنؤ مین بادشاہ تھے اسنے لباس وپوشاک دیکھکر
اور بادشاہ سے مل کر یہ رائے قائم کی کہ خود بادشاہ لباس پہننے کے
شائق اور اس فن کے بہترین نقاد ہین یہی وجہ ہے کہ شاہان اودھ
کے عہد مین روسا امرا بھی اس بارے مین بڑے نقاد اور وسیع النظر
تھے اور اس قدردانی کی وجہ سے اس فن کو بہت ترقی ہوئی اور
کپڑون کی وضع مین تراش وخراش ہوئی۔ واجد علیشاہ نے دوپلّی نکیدار
ٹوپی اور اونچی چولی اور چوڑی گوٹ کا انگرکھا ایجاد کیا نواب آصف الدولہ
نے آصف خانی یعنی کہنی تک کا شلوکہ ایجاد کیا اس فن کی ترقی کا
کچھ اندازہ ذیل کے چند باکمالون کے ہنر سے ہو سکے گا

مکا درزی عہد نصیری مین تھا انگیا کرتی سینے مین کامل تھا اسنے
لاکھون روپیہ کی عمارت اسی اپنے کمال کے فن کے صلہ مین تیار کی۔

شیخ الٰہی بخش و شیخ محمد علی یہ دو سگے بھائی سعادت گنج مین رہا
کرتے تھے الٰہی بخش عہد نصیری کا

باکمال خیاط تھا اگلے زمانہ کا انگریزی وضع کا کلی وار کوٹ بےمثل سیتا تھا (اس کوٹ کو آج کل کے زمانہ مین مرزا ثریا قدر مرحوم یا نواب جعفر علیخان مرحوم رئیس شیش محل جاڑون مین پہنا کرتے تھے) عہد نصیرالدین حیدر مین لارڈ کا ممبر میر کمانڈر انچیف لکھنؤ تشریف لائے تھے اور انکی پیشوائی بادشاہ نے بطریق شاہی کی تھی جب کمانڈر انچیف بادشاہ سے ملنے تشریف لائے تو اُسوقت بادشاہ شیخ الہی بخش کے ہاتھ کا سبز مخمل کا سیا ہوا کوٹ پہنے تھے الہی بخش نے کوٹ کی کلیان اس طرح سے ٹانکی تھین کہ جب بادشاہ اس کوٹ کو پہنکر کمانڈر انچیف کے سامنے ہوا کے رخ پر کرسی پر بیٹھے اور ہوا کوٹ مین لگی تو معلوم ہوا کہ انار چھوٹ کے رہگیا کمانڈر انچیف نے بادشاہ سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے جو بار بار اپنی چمک سی دکھاتی ہے بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے درزی نے کوٹ کی کلیان اور سیون کچھ اس ترکیب سے رکھی ہے کہ جب ہوا لگتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ گلدستہ ایسا کھل گیا کمانڈر انچیف نے درزی کے کمال کی تعریف کی (کوٹ کا واقعہ شیخ محمد علی کی زبانی لکھا ہے) شیخ محمد علی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مین ایسا ہی کوٹ آپکو سی دونگا یادگار کے طور پر رہیگا مگر افسوس کہ محمد علی کو قضا نے نہ چھوڑا

یہی الہی بخش واجد علیشاہ کی اُنکے وارد وپلّی (دوپلڑی) ٹوپی سیا
کرتا تھا اور فی ٹوپی بادشاہ ایک اشرفی دیتے تھے اس ٹوپی مین
صفت یہ تھی کہ جہان پر سیون کے دونون پلے ایک دوسرے سے
ملا کے سیئے جاتے ہین سیون کے بیچ مین ایک مہین سا تار دیدیا تھا
جو کمان کی طرح دونون نکّون تک تھا جب بانکی ٹوپی بادشاہ سر پر
لگاتے تو ایک طرف کی بھون خفیف سی چڑھی رہتی تھی اس ٹوپی
کی کاریگری لکھنو کی تصویر والی بارہ دری مین واجد علیشاہ کی
تصویر مین دیکھیے اسی تار کا نتیجہ تھا کہ دونون نکّے کھسکتے نہ تھے
بلکہ جمے رہتے تھے محمد علی نے بھی اس ٹوپی کو سیا تھا غدر کے بعد
حسب الطلب نواب کلب علیخان بہادر یہ دونون خیاط ریاست
رامپور گئے نواب موصوف نے ساٹھ روپیہ ماہوار الہی بخش کا مقرر
کیا تھا اور چالیس روپیہ ماہوار محمد علی کا۔ ایکدفعہ نواب مرحوم نے
ان دونون بھائیون سے ایک زنانہ دگلا یا انگیا کرتی سلوائی اور کسی
طرح کی ناپ نہین دی جسکے لیے کرتی سلوائی تھی اسکی آواز دو ڈہائی
گھنٹے بس پردہ سے دونون بھائیون نے سُنی اور بس اسکے بعد کرتی
سی کر پیش کی اور جو عیب تھا وہ الگ کاغذ پر لکھ کر دیدیا کرتی نہایت

گئی تو بالکل ٹھیک اتری مگر سینہ پر جھول تھا نواب صاحب نے کہا کہ سینہ پر جھول ہے وہ کاغذ پیش کیا گیا جس مین لکھا تھا کہ بائین جانب کی پستان نہین ہے نواب صاحب دونون کے کمال سے بہت محظوظ ہوے پھر دونون بھائی استعفا دیکر لکھنؤ چلے آئے ان دونون بھائیونکا یہ کمال مشہور ہے خود محمد علی نے مذکورہ واقعہ نواب سجاد علیخانصاحب کے سامنے بیان کیا تھا اور مین بھی موجود تھا۔

شیخ محمد علی کا کمال یہ تھا کہ پورے ایک تھان کا انگرکھا ایک ہی تاگے سے سیتا تھا اگر تاگے کو پکڑ کر کھینچ لیجیئے تو پورا انگرکھا کھلجاتا تھا محمد علی ایسا بھی انگرکھا سیتا تھا کہ کاندھون یا چربغلون مین جوڑ نہین ہوتا تھا آغا سید مجتبےٰ حسین خانصاحب مرحوم نے اسکے ہاتھ کے سیئے ہوے انگرکھے پہنے تھے محمد علی کے مقابلہ کے لیے ایک درزی فیض آباد سے آیا اور چار طرح سے برکا پائیجامہ سی کر دکھایا محمد علی نے سات طرح سے سی کر دکھا دیا وہ انکی استادی کا قائل ہوگیا محمد علی رزائی مین ایسی گوٹ لگاتا تھا جسکے صرف ایک گوشہ پر جوڑ ہوتا تھا اور ایسی گوٹ بھی لگاتا تھا کہ کسی کونے پر جوڑ نہین ہوتا تھا اسکے ہاتھ کی سی ہوئی رزائی ابھی تک نواب سجاد علیخان عرف

مئنے نواب صاحب ساکن تحسین گنج کے پاس موجود ہے محمد علی
سرداری بھی بےمثل سیتا تھا اسکے ہاتھ کی سی ہوئی سرداریان سید
مجتبےٰ حسین خانصاحب بیٹیں لکھنؤ پہنا کرتے تھے اور عجب نہین کہ اسکے
ہاتھ کی سرداری سید محمد حسین خان عرف چھاجو صاحب کے پاس ہو۔ ایکمرتبہ
نواب سجاد علیخانصاحب نے امراؤ علی خیاط سے زنانہ پائیجامہ کی گوٹ
کٹوائی مگر گوٹ کہین سے کم کہین سے زیادہ کٹی محمد علی نے اپنی آنکھون
پر پٹی بندھوائی اور قینچی ہاتھ مین لیکر گوٹ برابر سے کاٹ کے
رکھدی امراؤ علی انکی استادی کا قائل ہو گیا محمد علی کا مذاق اور کمال
بھی ملاحظہ ہو ایک مسماۃ نے محمد علی سے گرنٹ کا پائیچون دار پائجامہ
سلوایا انھون نے سی کر دیدیا اب جو وہ پہنتی ہین تو کولھون کے اوپر
پائجامہ نہین چڑھتا عاجز ہو کر انکو واپس دیا کہ یہ تنگ ہو گیا ہو اسے
ڈھیلا کردو محمد علی نے چور کلی مین خوب کلپ (کلف) لگا دیا تھا اور
بعض کلیون مین چند ٹانکے اس طرح سے دیدیے تھے کہ پائیجامہ تنگ
ہو گیا تھا انھون نے اسی وقت رومالی کو ہاتھون سے خوب مل دیا
اور بعض کلیون کے تاگے کھینچ لیے اور توڑ دیے اب جو پائیجامہ پہنا گیا
تو بالکل ٹھیک خوب ہنسی ہوئی اور کمال کی تعریف کیگئی حقیقت امر

یہ ہے کہ محمد علی ہندوستانی کپڑا سینے مین اپنا جواب ہندوستان مین نہ رکھتا تھا یہ زمانہ شاہی کا آخری باکمال خیاط تھا تین سال کا عرصہ ہوا کہ محمد علی کچھ کم سو برس کی عمر مین لاولد فوت ہوا آخر مین سماعت اور بینائی مین فرق آگیا تھا عہد واجدی مین محمد علی کا اسم شاہی سوارون مین تھا پروانہ اسکے پاس موجود تھا محمد علی نواب جعفر علیخانصاحب رئیس شیش محل اور آغا سید مجتبے حسین خانصاحب وثیقہ دار اور نواب سجاد علیخانصاحب ساکن تحسین گنج کا مرتے دم تک ملازم رہا شیخ الہی بخش کا پوتا سجاد علی ہندوستانی کپڑا اچھا سیتا ہے۔

کلو نواب سعادت علیخان کے عہد کا مشہور خیاط تھا۔

بھولئی دریابادی عہد واجدی مین شاہی پارچہ خانہ مین درزیون کا جمعدار تھا اپنے فن مین کامل تھا

سالار بخش دریابادی شاہی درزیون کا افسر تھا اپنے وقت کا نامی کاریگر تھا گھوڑا سواری کے لیے بادشاہ نے عنایت کیا تھا۔

رنگ ریزی

عہد واجدی کا ایک رنگریز فتح گنج مین رہتا تھا ایک دفعہ اسنے نفیس کپڑے کا ایک گرڈل (بیٹی) بنایا اور ایک طرف اسے سرخ رنگا اور دوسری طرف سے سبز رنگ کر میو لاک صاحب ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر پہونچا اور گرڈل پیش کیا ڈپٹی کمشنر بہادر گرڈل دیکھکر نہایت خوش ہوے اور کہا کہ ہمنے ایسا کاریگر کہین نہین دیکھا کہ ایک ہی کپڑے کو ایک طرف سے سرخ رنگے اور دوسری طرف سبز (زبانی خان بہادر مرزا علی سجاد حسین صاحب لکھنوی کلکٹر علیگڈھ)

چربہ یا نقل

نصیر الدین حیدر کے عہد مین ایک مصنوعی جھیل تھی جو تمام باغ کو چھائے ہوئے تھی اسکے بیچون بیچ مین ایک بہت ہی خوبصورت بارہ دری بنی تھی جو کسی کنارے سے ملحق نہ تھی اس بارہ دری مین باہر کی جانب نہایت نفیس رنگ آمیزی اور گلکاری کی ہوئی تھی اور اسکی وضع بڑی بانکی تھی اس جھیل کا پانی ایسا صاف شفاف تھا

کہ تہ تک کی سب چیزیں بلا تکلف دکھائی دیتی تھیں اس بارہ دری
میں بجرے پر سوار ہو کر جاتے تھے اس بارہ دری کے بڑے کمروں
میں سے ایک میز پر پورا نمونہ محلات شاہی کا بنا ہوا رکھا تھا جس میں
پورے محل کے ہر ہر جزو کا نہایت باریک بینی اور دیدہ ریزی کے
ساتھ چربہ اتارا گیا تھا اور رنگ ایسے ٹھیک دیے گئے تھے کہ گویا
ہو بہو تصویر کھینچ دی تھی یہ بات ہندوستانی دستکاروں کا حصہ ہے
اسی نقشہ میں اس بارہ دری کی نقل جو ایک اخروٹ سے بڑی نہ تھی
اس خوبی سے اتاری تھی کہ اسکی جزئی سجاوٹ تفصیلوار مع کمروں کے
دکھلائی گئی تھی کوئی چیز چھوڑی نہ تھی (شباب لکھنو باب دوم صفحہ ۱۷-۱۸)

فن تعمیرات

ہندوستان کو فن تعمیرات کے باب میں جو عظمت حاصل ہوئی وہ
شاید دنیا کی کسی سرزمین کو حاصل ہوئی ہو یہانتک کہ تاج محل کا شمار
دنیا کے عجائبات میں ہوا۔ اور وہ کا حصہ بھی اس بارے میں نہایت
مہتم بالشان ہے امام باڑہ آصفی کا عظیم الشان ہال دنیا کے تمام

ہاؤن مین سب سے بڑا ہے اسکی بھول بھلیان اپنی قسم کی دنیا کی نئی قسم کی
بھول بھلیان ہے اودھ کی تمام وہ عمارتین جن سے یہان کے ہنرمندون
کی دستکاری اور ہنر کا سراغ ملتا ہے سب تباہ و برباد ہوگئین قیصر باغ
اور سلطین آباد کی عمارتین جو عہد واجدی کی یادگار ہین وہ اپنی اصلی حالت
پر نہین ہین اتنا تغیر ہوگیا کہ ان کو شاہی عمارت کہتے شرم آتی ہے
امام باڑہ آصفی آصف الدولہ کے عہد کی عمارت ہے اور امام باڑہ حسین آباد
جو محمد علیشاہ کے عہد کی عمارت ہے اور کچھ اور عمارات قدیم فن تعمیر کی
یادگار ہین اور سب مٹ گئین اور انکے بنانیوالون کے بھی نام و نشان
مٹ گئے ایسے ایسے کامل معمار اودھ مین تھے کہ جس قسم کا نقشہ دیدیا
گیا ویسی ہی ہوبہو عمارت بنا دیتے تھے نواب آصف الدولہ کو
فن تعمیر سے بڑی دلچسپی تھی اور ان کامون مین وہ رفاہ عام کا
بڑا لحاظ رکھتے تھے اکثر عمارتون کی تعمیر سے عوام کی مدد مقصود
ہوتی تھی شاید ہی کوئی عمارت ہو جسکی تعمیر مین امداد کا عنصر شامل
نہو خصوصاً امام باڑہ آصفی ۱۲۰۵ھ کے عالمگیر قحط کی یادگار ہے
اسی کے ساتھ مسجد۔ رومی دروازہ بنایا گیا اِن عمارتون مین کہین
ایک انچ بھی لکڑی نہین لگی ہے بڑی بڑی چھتین ایسی کاریگری

سے ڈانٹ لگا کر بنائی گئی ہین کہ بڑے بڑے انجنیر اور فن تعمیر کے کامل استاد انھین دیکھکر انگشت بدندان ہین مضبوطی اور استحکام مین اور وضع قطع مین یہ عمارتین اپنا آپ جواب ہین شاہان اودھ کی نیت تعمیر سے شہر کی رونق کے علاوہ یہ ہوتی تھی کہ فن تعمیر کو ترقی ہو اور ایک طرف اہل فن جدید اختراعات اور اس مین ترقی کیطرف متوجہ ہون تو دوسری طرف رعایا کی بسر اوقات اور پرورش کی جدید صورت نکلتی رہے عہد شاہی کی جب بہت سی عمارتین نہ رہین تو انکے صناعون کا نام و نشان تو ان سے پہلے مٹ چکا کچھ دو چار کاریگرون اور عمارتون کا ذکر مشتے نمونہ از خروارے پیش کیا جاتا ہے قیصر باغ کھدکر اب دوسری شکل کا ہو گیا دراصل یہ باغ معماری کا ایک خوبصورت پھول تھا۔

معمار و مہندس

کفایت اللہ شاہجہان آبادی نے امام باڑۂ آصفی کا نقشہ پیش کیا تھا جسکے مطابق امام باڑہ کی تعمیر ہوئی امام باڑۂ آصفی دنیا کی مشہور عمارتون مین ہے

جس کا دالان ساٹھ گز لمبا اور تیس گز چوڑا ہے پورا دالان ایک ڈاٹ پر ہے

مکلوڈ یہ انگریز نواب یمین الدولہ کے عہد میں مہندس تھا فارسی بان جانتا تھا۔

سنڈکلیر عہد نصیری میں یہ انگریز انجنیر تھا جو شاہی انجنیری کے عہدہ پر مامور ہوا تھا اسی کے اہتمام میں لوہے کا لٹکنے والا پل بنایا گیا تھا جو رزیڈنسی کے سامنے تھا لیکن اب باقی نہین ہے جو لوہے کا پل آج کل دریاے گومتی پر بنا ہے یہ انگریزی عہد کا ہے۔

کپتان ہربرٹ یہ انگریز نصیری عہد مین سترہ سو ماہوار پر بطور انجنیر مقرر ہوا تارے والی کوٹھی اسکے اہتمام بنا شروع ہوئی تھی کہ دوران تعمیر مین کپتان مذکور مر گئے۔

کرنل ولکاکس یہ انگریز کپتان ہربرٹ کے بعد انکی جگہ پر بعہد نصیر الدین حیدر انجنیر مقرر ہوا رصدگاہ یعنے تارے والی کوٹھی ان کی نگرانی مین بنکر تیار ہوئی جو نپورا اور مرزا پور سے کوٹھی کی تیاری کے لیے پتھر منگوایا گیا تھا اس رصدخانہ کی تیاری مین ساڑھے چار لاکھ روپیہ صرف ہوا بادشاہ نے کرنل مذکور کو چودہ پارچہ کا خلعت دیا یہ پہلا رصدخانہ ہے جو ہندوستان مین بنایا گیا

شرف الدولہ غلام رضا خان مسلم و ہم واجدی عہد کے مشہور لوگ تھے جنکو عمارات کی تعمیر مین کافی

ثابت علیخان معتمد علیخان۔ کاشی رام دخل تھا انکے اہتمام مین سنگین باغ

مصوّر وغیرہ اور مساجد وغیرہ تیار ہوئین

نواب حضور عالم واجد علیشاہ کے وزیر اعظم تھے اور فن تعمیر مین کافی دخل رکھتے تھے انکے اہتمام مین کئی عمارتین بنکر تیار ہوئین اور واجد علیشاہ کو بہت پسند آئین اور یہ امر بھی اُنکی ترقی کا باعث ہوا

چہل ستون و رسنگین محل چہل ستون ایک مقبرہ ہے جسمین تین تین درجے ہر چہار اطراف مین سنگین عمارت کے تھے اسکے وسط مین کلان گنبد تھا اس مین چالیس ستون اس ترکیب سے تعمیر ہوے تھے کہ باہر سے کوئی بندوق یا تیر چلائے تو جو شخص کہ وسط کے کمرہ مین ہو اسکو نقصان نہ پہونچے بلکہ گولی یا تیر کسی ستون مین رہجائیگا اسکو راجہ سید عبد القادر میر عدل نے تعمیر کرایا تھا بادشاہ دلی کے خوف سے کہ یہ دلّی کی شاہی عمارت کی نقل کیوجہ سے منہدم نہ کردیا جاے اسلیے اس مین چند فرضی قبرین بنوادی گئین مقبرہ چہل ستون کے وسط کے دالان کشادہ ہین اور دومنزلے کمرے ایسے

ہین کہ وہان کی نشست سے وسطی دالان کے لوگ دکھائی دیتے ہین
سنگین محل ایک بارہ دری یا خانقاہ معلوم ہوتی ہے اس محل کے
مشرقی جانب زیر محل ایک وسیع تہ خانہ سنگین ہے یہ گرمی مین سرد
رہتا ہے اس محل کے صحن مین اسکے مہندس نے یہ عجب صنعت
رکھی ہے کہ صحن گہرا ہے پانی کی نکاس کو کوئی بدررو نہین ہے
برسات مین ایک گلاب کا پھول اسکے صحن مین ڈال دیا گیا کہ دیکھا
جاے کہ پانی کے بہاؤ کا کیا رخ ہے پانی سارا خشک ہوگیا یا بہ گیا
مگر پھول وسط کا وسط ہی مین رکھا رہا (تاریخ گڑرانکپور صفحہ ۳۸)

عہد شجاع الدولہ مین راجہ بلونت سنگہ
ایک باکمال مہندس
نے دریاے گنگا کے کنارے رام نگر
ضلع بنارس مین قلعہ بنوایا اسکو ایسے حساب سے مہندس نے تعمیر
کرایا ہے کہ چاہے کیسی ہی خشک سالی ہو دریا کنارے سے علحدگی
نہین اختیار کرتا رام نگر کے جانب شمال بنارس کی آبادی ہے دریا کے
کنارے کی سنگین چار پانچ منزلی عمارتین اس طرح بنی ہین کہ کیسا ہی
سیلاب دریا مین کیون نہ آے مگر انکو جنبش نہین ہوتی بلکہ سال بھر
کے لیے ایک قسم کا استحکام اُن کو ہوجاتا ہے ان مین عجیب بات یہ

دیکھی گئی ہے کہ انکی بنیاد کے نیچے پانی شہر کے اور اور حصّون سے آتا ہے
اور بطور مہری کے گرتا ہے اور ان عمارات کے استحکام مین فرق نہین آتا
دریا رام نگر کی آبادی سے جیسے ہی ہٹا ویسے ہی بعد بارش ریت
پڑجاتی ہے مگر رام نگر کے قلعہ کے نیچے کیا مجال ہے جو بالو کا اثر نمایان
ہو تو جائے (تاریخ بنارس جلد اول صفحہ ۱۹۸)

فن درستی شہر

شاہان اودھ کے زمانہ مین ایسے بھی صدہا باکمال تھے جنکو شہر کے
آراستہ کرنے اور ترتیب دینے مین ید طولی تھا آجکل کا جو طریقہ
کسی شہر کے آباد کرنے یا کسی پرانے شہر کو حفظ صحت اور ضروریات
زندگی کے لحاظ سے ترتیب دینے کا ہے وہ پرانے وقتون سے بہت
کچھ مختلف ہے لیکن اس خاص ہنرمندی سے جو دماغ منور ہین انسے
سراغ ملتا ہے کہ شہر خودرو درخت کی طرح خود بخود صفحۂ ارض پر پیدا
نہین ہوتے بلکہ یہ بھی ایک خاص فن ہے جسکے ماہر اس وقت بڑی
بڑی تنخواہین پاتے ہین نواب شجاع الدولہ نے جب فیض آباد کو بہ حیثیت
شہر کے آباد کیا اور پھر لکھنؤ جب اودھ کا دارالسلطنت ہونے کی

حیثیت سے شہر بنایا گیا تو اسکے لیے خاص اہتمام کیا گیا اور خاص
خاص ماہرین فن کے کمالات تیاری شہر پر تصدق ہوے نواب
شجاع الدولہ نے فیض آباد کو ایک آراستہ شہر بنانے مین از سر نو
شہر پناہ کو تعمیر کرایا جو اب قلعہ کہلاتا ہے اسکے گرد ہر طرف دو دو
میل کا میدان چھوڑ دیا جسکے گرد خندق کھود کے قلعہ بندی کی وضع
سے درست کرایا گیا تر پولیا اور چوک بازار مرتب ہوا سڑک قلعہ کے
جنوبی پھاٹک سے شروع ہو کے الہ آباد والی سڑک کے ناکے تک
چلی گئی تھی اور اتنی کشادہ تھی کہ برابر دس چھکڑے آسانی سے گذر سکتے
تھے حوالی شہر مین دو مرغزار شکار گاہ قرار دیے گئے تھے خاص فیض آباد
کے اندر تین ایسے نزہت بخش باغ تھے کہ اُن مین امرا اور رؤسا سیر و تفریح
کرین ایک انگوری باغ دوسرا موتی باغ تیسرا لال باغ اس مین نہایت
نفاست سے چمن بندی کی گئی تھی اور ہر طرح کے نازک اور خوش رنگ
اور نظر فریب پھول قرینے سے لگائے گئے تھے لال باغ کی جانفزائی
کی شہرت سنکر شاہ عالم بادشاہ دہلی اسکی سیر کے شوق مین فیض آباد
آئے تھے نواب شجاع الدولہ کو خود شہر کی درستی کا اس قدر شوق تھا
کہ ہر صبح و شام سوار ہو کے سڑکون اور مکانون کا معائنہ کرتے مزدور

پھاوڑے اور کدالین لیے ہوے ساتھ ساتھ ہوتے اور شہر کی افزائش حسن و ترتیب اور درستی ہوتی جاتی تھی (تاریخ فیض بخش)

راجہ بختاور سنگھ نصیری عہد مین فوج کے جنرل تھے شہر و بازار کی درستی مین انکو خاص سلیقہ تھا اور انھین کے زیر اہتمام بازار اور شہر وغیرہ کی ترتیب اور درستی ہوتی تھی عمارات بھی زیادہ تر انھین کے زیر اہتمام تیار ہوئین۔

گاڈی ہانکنا

بندہ علیخان واجد علیشاہ کا کوچ مین تھا گاڈی بیمثل ہنکاتا تھا اس کا کمال یہ تھا کہ سڑک پر دور تک روپیون کی قطار لگائی بادشاہ جوکڑی مین بیٹھے اور بندہ علی نے راس لی ایک ایک روپیون کی قطار کے اوپر سے اور ایک زمین پر جس رفتار سے کھیے گاڈی لیجائے کیا مجال جو ایک روپیہ کی قطار سے ادھر ادھر ہو جائے۔ بندہ علی گاڈی ہانک رہا ہے اور بادشاہ بیٹھے ہین قیصر باغ کے پھاٹکون سے سواری آئے یا جائے جب پھاٹکون سے گاڈی گزری پرکار سے ناپ لیجیے دونون طرف کے پہیہ کے نشان پھاٹک کے دونون طرف

کی چول سے برابر برابر ہوتے تھے۔ بادشاہ گاڑی مین بیٹھے ہین بندہ علی
ایک گھوڑے کو سرپٹ لیے جاتا ہے اور دوسرے کو پوئی اور تیسرے
کو دلکی اور چوتھے کو قدم قدم اور چارون گھوڑے ایک ہی گاڑی مین
جُتے ہین مگر کیا مجال کہ سواری کو تکان تو ہو جائے بندہ علیخان انتزاع
سلطنت کے بعد ریاست رام پور چلا گیا تھا اور اسنے نواب کلب علیخان
کو اپنا کمال دکھایا تھا مشہور ہے کہ بتیس گھوڑے گاڑی مین جوت کر
نواب صاحب نے منگوائے تھے اور بندہ علی نے ہانکدیے مہاراجہ ڈربھنگا
نے بندہ علی کو اپنے یہان ملازم رکھ لیا تھا اور وہ وہین مر گیا۔

شہسواری

نواب یمین الدولہ شہسواری مین یکتائے زمانہ تھے خاصے کے
سات ہزار گھوڑے گھوڑیان تھین بتیس سو روپیہ یومیہ کا اصطبل کا
خرچ تھا گھوڑون کے لیے ولایت کی گھانس بوائی جاتی تھی ایکدن
قلعۂ ولیم کے جنرل نے نواب موصوف سے شرط لگائی کہ اگر گھوڑے پر
سوار ہو کر آپ قلعہ کی خندق پھاند جائیے تو قلعہ حاضر ہے نواب معصوف
نے گھوڑے پر سوار ہو کر خبر کی تو ایک جست مین خندق کے پار تھے

جب نواب صاحب نے قلعہ کا مطالبہ کیا تو جواب ملا کہ غیر کی جائداد پر
شرط ناجائز ہے لیکن آپ کی خاطر سے یہ دروازہ آپ کی ملکیت قرار
پاکے مقفل رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا (قیصر التواریخ جلد اوّل)

نواب حیدر خان بنگش

(لفظ بنگش کے لغوی معنی ہیں پہاڑی ملک کچھ عرصہ کے بعد اسکے معنے ہوے
باشندے پہاڑی ملک کے جو لوگ بلند پہاڑیوں پر رہتے تھے بالا بنگش
کہلاتے تھے اور جو پہاڑی کے نیچے کے ملک مین سکونت گزین تھے
یعنی کوہاٹ مین پائین بنگش مشہور تھے (تاریخ فرخ آباد نوابان بنگش
حصۂ اوّل صفحہ ۲) قائم گنج ضلع فرخ آباد مین پیدا ہوے اور اپنے والد
ولی محمد خان بنگش کے ساتھ لکھنؤ آے نواب یمین الدولہ بہادر نے نواب
حیدر خان کی عزت افزائی اور قدر دانی فرمائی ایک دفعہ نواب یمین الدولہ
نے حیدر خان کی قوت اور شہسواری کا نہایت سخت امتحان لیا اور
خان موصوف امتحان مین پورے اترے نواب صاحب نے اسی وقت
خاص اپنی سواری کا عربی گھوڑا مع زین اور چارجامہ عنایت کیا اور ساتھ ہی
اسکے خلعت مین سرپیچ۔ انگرکھا۔ رومال۔ پیش قبض۔ سیف اور جوڑی
طپنچہ کی عنایت کی اور بہت سی اشرفیان بھی عنایت کین اور بعد اسکے

خاص اپنے درباری مصوّر سے حیدر خان کی تصویر کھنچوائی یہ تصویر اتابک
موجود ہے مصور نے شیشہ پر تصویر بنائی ہے اور خوب اپنا کمال دکھایا
ہے یہ تصویر خلعت کے موقع کی ہے جس کا فوٹو بذریعہ بلاک اس کتاب
میں دیا گیا ہے اسکے علاوہ اب کوئی تصویر یا فوٹو حیدر خان ننگش کا
کہیں نہیں ہے لہذا برائے اطلاع ہر خاص و عام لکھا جاتا ہے کہ ہرگز
کوئی شخص اس کا فوٹو یا بلاک یا تصویر نہ چھاپے حیدر خان ننگش محلہ
جھونگر میں رہتے تھے ایسے شہسوار تھے کہ کیسا ہی گھوڑا کیوں نہو مگر یہ
ہر حال میں بغیر رکابوں کے سوار ہوتے تھے ان کی قوت کا یہ عالم تھا
کہ دو زبردست جوانوں کے سر ٹکرا کر مار ڈالتے تھے اس طرح سے کہ ایک
شخص کی گردن ایک ہاتھ سے پکڑی اور دوسرے کی دوسرے ہاتھ
سے اور دونوں کے سر اس زور سے ٹکرا دیے کہ کاسۂ سر چور چور ہوجاتا
تھا حیدر خان کا معمول تھا کہ روزانہ ورزش کے بعد لوٹا بھر دودھ ایک
ہی سانس میں پی لیتے تھے وہ تانبے کا لوٹا ابھی موجود ہے اور اسپر لکھا ہے
"حیدر خان سنہ ۱۲۱۶ھ" اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوٹا عہد احمدی کا ہے۔
لوٹے کا وزن ڈھائی سیر اور چھ سیر تین پاؤ آدھی چھٹانک پانی اسمیں آتا
ہے حیدر خان ننگش غدر ۱۸۵۷ء میں مع اپنے نوجوان اکلوتے فرزند



محمود ممتاز خان بنگش بي - اے

محمد غضنفر خان بنگش کے موضع راہ پٹ مئو (کاکوری روڈ پر واقع ہے)
مین مارے گئے۔ لہٰذا اولاد ذکور مین اب کوئی نہین ہے حیدر خان بنگش
کا شجرہ حسب ذیل ہے۔

نواب احمد خان بنگش والی فرخ آباد

- ولی محمد خان
  - حیدر خان بنگش
    - غضنفر خان بنگش
    - ذاکری خانم
      - عالیہ خانم
        - اختر جہان خانم لکھنوی
  - فیض خان بنگش
    - امیر النسا خانم
- واحد خان
  - محمد علیخان بنگش
    - محمود خان بنگش شوہر
      - امتیاز خان بنگش لکھنوی
        - محمد ممتاز خان بنگش لکھنوی شوہر

(ترکی زبان مین خانم بیگم کو کہتے ہین)

خاندان بنگش کی لکھنوی شاخ مین صرف محمد ممتاز خان بنگش لکھنوی نے
لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا ہے اور ۱۹۲۹ء سے چھاؤنی
لکھنؤ مین ملیٹری اسٹیٹ آفیسر کے فرائض انجام دیتے ہین جن انگریزی
اور ہندوستانی افسرون کی ماتحتی مین مسٹر ممتاز نے کام کیا ہے انھون نے
انکو نیکنامی کے سارٹیفکیٹ دیے ہین امید کی جاتی ہے کہ گورنمنٹ سے
کوئی معقول عہدہ ان کو ملے گا۔ محمد ممتاز خان لکھنوی کی تصویر اس
کتاب مین موجود ہے۔

فتح خان و دلاور خان دریابادی یہ دونون مشہور چابکسوار تھے روشن الدولہ کی سرکار مین بڑی قدر و منزلت کے ساتھ ملازم رہے۔

حضور عالم واجد علیشاہ کے وزیر اعظم تھے گھوڑے پر بے مثل بیٹھتے تھے اور نیزہ بازی کے اُستاد تھے نواب یمین الدولہ کے بعد اودھ مین اگر کوئی گھوڑے کا بہترین شہسوار اعلیٰ طبقہ مین تھا تو وہ نواب حضور عالم تھے ایکدن حضور عالم تحسین گنج والی کوٹھی مین بیٹھے تھے کہ ایک سوداگر گھوڑے لیکر آیا جو خود بھی بڑا شہسوار تھا ایک گھوڑے پر سوداگر بیٹھا اور نواب صاحب کے سامنے اسے چکّر دیا اور اپنا کمال یہ دکھایا کہ دوسرے چکّر مین گھوڑے کے سُم پہلے چکّر کے سمون کے نشان پر پڑتے گئے نواب اس رمز کو سمجھ گئے سوداگر کا یہ گھوڑا سکھایا ہوا تھا نواب صاحب نے سوداگر سے کہا کہ تم نے کمال خوب دکھایا اور ایک الھڑ بچھیڑے پر سوار ہوے سوداگر نے عرض کیا کہ حضور یہ گھوڑا ابھی بنایا نہین گیا ہے نواب صاحب نے کہا کہ کچھ ہرج نہین اور بچھیڑے کو چکّر دیا دوسرے چکّر مین بچھیڑے کے سُم انھین نعلون کے نشان پر پڑے جو پچھلے چکّر مین نشان بنے تھے سوداگر نواب صاحب کی شہسواری کا قائل ہو گیا۔



نواب حضور عالم علي نقي خان وزير

کوڑا تلوار سے کم نہ تھا ایک دن ایک ہاتھ بکرے کو مار دیا تھا
اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل پڑی تھیں نواب حضور عالم
وزیر اعظم شہسواری کے اُستاد تھے راے سدھن لال سے جو
درباریوں میں تھے مہاراجہ ڈبجے سنگھ کی شہسواری کا ذکر سنکر
جمعہ کے دن جو نواب صاحب کی سواری کا دن تھا مہاراجہ کو
بلوایا مہاراجہ گئو گھاٹ آئے حضور عالم برآمد ہوکر تحسین گنج سے
اصطبل میں آئے اور مہاراجہ کو ساتھ آنے کا حکم دیا اصطبل کے
میدان میں پہونچکر تین چار شخصوں سے نیزہ بازی میں اُن کا
مقابلہ کرایا مہاراجہ نے سب کو مغلوب کیا پھر خود حضور عالم
گھوڑے پر سوار ہوے اور مہاراجہ کے مقابلہ کو آے تھوڑی
دیر تک مہاراجہ نواب صاحب کی چوٹوں کو روکا کیے آخر کار کہا
کہ میں حضور کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور میرا گھوڑا ابھی تھک گیا ہے
حضور عالم نے مہاراجہ کی سواری کی تعریف کی اور فرمایا
کہ انگریزی کاٹھی پر کیوں نہیں سوار ہوتے مہاراجہ نے کہا کہ میں
اُس پر نہیں بیٹھ سکتا حضور عالم نے اسی دن مہاراجہ کو شاگرد کیا
اور انگریزی کاٹھی کی سواری سکھائی (تاریخ بلرامپور صفحہ ۶۷)
سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب عہد امجدی کے

جیّد عالم تھے آپ فنون سپہ گری سے خوب واقف تھے اور بڑے باکمال تھے گھوڑے پر خوب سوار ہوتے تھے (تذکرہ بے بہا صفحہ ۳۳۷)

رجب خان شاہ جہانپوری کے فن کا کمال یہ تھا کہ جس گھوڑے پر یہ سوار ہوئے اور دمّہ نالہ تک گئے پھر وہ تمام عمر بدلگام نہ ہوا یہ حضور نظام کے اصطبل کے داروغہ تھے اور غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے حیدرآباد مین انتقال کیا (تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۳۰۲)

شیخ ببر علی لکھنوی واجدی عہد کے تھے شیخ ببر علی کا کمال یہ تھا کہ گھوڑے کو کاوے دے رہے ہین اور ایک ہاتھ مین پانی سے بھرا کٹورا لیے ہین مگر کیا مجال ہے کہ پانی چھلک تو جائے انکا ایک کمال یہ تھا کہ گھوڑے پر سوار ہوئے بائین ہاتھ مین لگام لی اور داہنے ہاتھ کی ہتیلی ایک آدمی کے سر پر رکھی اور گھوڑے کو پھیرنا شروع کیا اتنی ہی مختصر جگہ مین گھوڑے کو پھیرتے تھے اور کیا مجال تھی کہ ہتیلی آدمی کے سر پر سے ہٹ جائے ببر علی چھاؤنی حسین الدین خان مین رہتے تھے غدر کے کئی برس کے بعد انتقال کیا شیدی علی پہلوان بڑا طاقتور تھا اور میرے دادا آبا مرحوم کا

ملازم تھا ایک دن ببر علی نے شیدی صاحب سے کہا کہ بڑے پہلوان ہو جب جانون کہ میری ران زین سے کھسکا دو اگر ران زین سے کھسکا دو تو پانچ سیر امرتیان ابھی کھلاتا ہون شیدی علی تیار ہو گئے یہ گھوڑے پر بیٹھے شیدی علی نے زور کرنا شروع کیا مگر ران کو جنبش بھی نہوئی۔

ممن خان لکھنوی واجدی عہد کا تھا شیو پُری متصل حسین آباد مین مکان تھا شیخ ببر علی کا شاگرد تھا بمثل گھوڑا بناتا تھا غدر کے برسون کے بعد مرا ہے۔

سید صادق حسین لکھنوی واجدی عہد کے تھے شیخ ببر علی کے شاگرد تھے یہ بھی گھوڑے خوب بناتے تھے شیو پری مین رہتے تھے غدر کے بعد راجہ لال مادھو سنگھ نے اپنا اصطبل اُن کے سپرد کر دیا تھا۔

پورن لکھنوی ہندو تھا اور واجدی عہد کا تھا چابکسواری مین بڑا کامل تھا شیخ ببر علی کا شاگرد تھا انگریزی عہد مین نواب سیّد مہدی حسن خان عرف آغا ابو صاحب کی ملازمت کر لی تھی زندگی بھر وہین رہا۔

پہاڑ خان لکھنوی امجدی عہد مین چابکسواری کے فن مین

وحید عصر تھا اور پرنس سلیمان قدر کو گھوڑے کی سواری سکھانے پر مامور تھا
(صحیفۂ زرّین صفحہ ۱۰۲)

حجّامی

پیر بخش دریابادی رمضانی کے خاندان سے تھا حجامت ایسی بناتا تھا کہ تین چار دن تک کھونٹی نظر نہین آتی تھی علاوہ اسکے یہ اُسترے کی باڑھ سے کپڑے پر چکن کا کام ایسا بناتا تھا کہ بیل بوٹے اُبھر آتے تھے جو ایک ہفتہ سے زائد رہتے تھے لیکن اگر کپڑا مہینوں نہ دھویا جائے تو نشان برابر قائم رہتا تھا شروع انگریزی تک زندہ تھا

فقیر بخش دریابادی خط بنانے مین فرد تھا غازی الدین حیدر کے زمانہ مین تھا فقیر بخش سوتے مین حجامت بنا دیتا تھا اور خبر نہین ہوتی تھی جب یہ کسی کا خط بناتا تھا تو اُسے نیند آنے لگتی تھی پانچ منٹ مین ایسا خط بناتا تھا کہ شوقینوں کو ایک ہفتہ کے لیے اطمینان ہو جاتا تھا بغیر پانی استعمال کیے خط بنا دینا اور ذرا تکلیف محسوس نہ ہونا اس کا خاص کمال تھا۔

شیخ عابد حسین عرف عمدو لکھنوی واجدی عہد کا تھا اور مفتی گنج مین رہتا تھا اس کا کمال

یہ تھا کہ ناخن گیری ہاتھ مین لی اور دریا مین اُتر گیا اور غوطہ لگایا اور دونون ہاتھ پانی کی سطح کے اوپر نکالے اور کسی دوسرے شخص کی دسون انگلیون کے ناخن کاٹ دیے اور مجال کیا کہ چرکا لگ جاے یا کوئی ناخن ٹیڑھا کٹ جائے عمدو کا حقیقی پوتا شیخ سردار حسین عرف شرو ابھی موجود ہے اور نوابان شلیش محل کا ملازم ہے۔

حمّامی

محمد علی حمّامی لکھنوی یہ باکمال و مشہور حمامی تھا ریاست بھوپال مین سرکاری حمام عرصہ سے بند پڑا تھا اسنے وہان جاکر اُسکو گرم کیا اور جب پہلے پہل ہر ہائینس نواب شاہجہان بیگم صاحبہ مرحومہ نے اُس مین حمام کیا تو اسکے کمال سے خوش ہوکر اپنا ملبوس خاص اور بہت کچھ اسے انعام مرحمت فرمایا اسکو افسر الاطبا حکیم فرزند علیخان شاہ آبادی لکھنؤ سے بھوپال لیگئے تھے (گنجینۂ سلیمانی صفحہ ۲۲)

حلاّجی

حاجی محمدی یہ حیات نگر پرگنہ سنبھل ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے سنہ ۱۱۹۰ھ مین کسی وجہ سے رام پور

چلے آئے تھے دھنائی مین یہ کمال تھا کہ ایک چھٹانک روئی کو ایک انگرکھے مین بھر دیتے تھے اور جب آفتاب کے رُخ پر انگرکھے کو دیکھتے تھے تو کسی جگہ روئی کی کمی بیشی معلوم نہ ہوتی تھی مگر اجرت معمولی لیتے تھے سنہ ۱۲۹۰ھ مین انتقال کیا (تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۳۷۹)

صنعت عامہ

لکھنؤ گائڈ کے مؤرخ کا بیان ہے کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے تک لکھنؤ تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا خصوصًا شمالی ہندوستان مین تجارتی منڈی اتنی بڑی کہین نہ تھی لکھنؤ کے دستکار ہر قسم کے اشیاء نہایت صفائی اور نفاست سے تیار کرتے تھے یہان علم و ہنر کے صیغہ کو کمال کی حد تک پہنچا دینے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا گیا ہر ایک دستکاری اور ہنر اور اُن کے ہنرمندون کے حالات مفصلاً لکھنے مین طوالت ہے اس لیے جسقدر دستکار اور دستکاریون کا حال اختصار سے الگ الگ لکھا جا سکا اس مین سے ایک ایک دو دو ہنر اور ہنرمندون کا حال لکھ دیا گیا اب اجمالاً صنعت عامہ کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چکن کامدانی کارچوب نہایت عمدگی سے یہان بنایا جاتا تھا

اور اس کام کے لیے لکڑی کے چھاپے لوگ بناتے تھے اور باہر کے
لوگ خریدتے تھے مٹی کے کھلونے ترکاریان پھل وغیرہ بنتے تھے
اونی ریشمی اور گیان کپڑے کا گہنا اور گودڑ کی گڑیان خاص لکھنؤ کی
عورتین ایسی نفیس بناتی تھین کہ منھ سے بولنے کی کسر رہتی تھی جنکو لوگ
بڑی خوشی سے مول لیتے تھے یہان شال مین رفوگری کا پیشہ اور
رنگ سازی ہوتی تھی ہارسنگھار کی ڈنڈیون سے رنگ تیار کیا
جاتا تھا سونے چاندی پیتل اور رانگے وغیرہ کا گہنا بنایا جاتا تھا
لکھنؤ کے بنے ہوے تعزیے کثیر تعداد مین باہر جاتے تھے دستی
پنکھے کپڑے کے گہنے چھاپے ٹاپے۔ ٹوکریان۔ اربر کی لکڑیون کے
نرکل اور بیت کے پٹارے۔ بیلن پٹرے۔ لکڑی کی کھڑاوین۔
کھچیان۔ باندھ۔ سُتلی۔ مونڈھے۔ مٹی کے برتن وغیرہ اودھ مین بنتے
تھے۔ فیض آبادی صندوقچے تمام ہندوستان مین مشہور تھے
لکھنؤ کے کاریگر مخملی چوگوشیہ ٹوپی۔ جوتے جوتیان۔ مغرق گرگابیان
کیمخت کے جوتے۔ اوطی۔ چمڑے کے ڈول۔ مشک گنج کی
مشکین۔ پُر۔ تونی۔ لچھکا۔ کڑوا تیل۔ سرسون کا تیل۔ گوڈڑ کی مشعلین
گوڈڑ کے گیند۔ نواب گنجی پٹاخے۔ آتشبازی۔ تارکشی کا کام تار
نکیئی۔ روشنائی سازی۔ جھنوائی ٹولہ کے جھانوے۔ مہرکنی

کپڑے پر چھاپنے کا کام۔ موم کا کام۔ چربی کی شمعین۔ طوغین لال سبز بتیان۔ کاٹھ کی ڈبیان۔ کلھیان۔ رستے۔ مونڈھے۔ نواب یمین الدولہ کے عہد مین کپڑے کے گہنے۔ لکڑی کی تختیان کٹھرے کونڈے۔ لاکھ کی چوڑیان۔ گڑگڑے۔ اچار۔ چٹنی۔ مربے۔ مختلف پھلون کے شربت۔ مدار یہ حُقہ جو خاص لکھنو کی ایجاد ہے یٹک عطر تیل۔ پھولون کے گہنے۔ ٹاٹ کے بورے۔ کھجور کی چٹائیان سونے چاندی کے کٹے ہوے ورق۔ جھاڑو کی سینکون کی خوشنما اور مضبوط کابکین بانس کی تیلیون کے پنجرے۔ دھومی خان کے ہاتھ کے بنائے ہوے ہنٹر۔ غلیل۔ کمان۔ دیسی بارود۔ ہاتھی دانت کا کام نواڑ۔ سیج بند وغیرہ خاص لکھنؤ کی دستکاریان تھین اوران مین سے ہرایک دستکاری مین اہل فن نے ہنرمندی کے دریا بہا دیے جس کا اب نشان صرف تاریخ کے صفحون مین بہت ڈھونڈھے سے ملتا ہے اسی طرح یہان سواری کے کوڑے بنتے تھے گھر کی بیٹھنے والی شریف مستورات لچھکا۔ پٹھا۔ چٹکی۔ بنت۔ توئی۔ بیلین وغیرہ بناتی تھین۔ اور خاطرخواہ پیسے پیدا کرتی تھین۔ چرخہ سے سوت کاتتی تھین۔ کھار ویکے پلنگ پوش۔ سوسی کے تھان۔ بیچک کا تاگا سینے پرونے کے لیے بٹ چھپائی یعنے ہرسال ٹپے چھاپے جاتے تھے۔ کندلہ یعنی تارکشی

یہان کی عام صنعت تھی۔ نصیر الدین حیدر کے زمانہ مین رنگریز ایسے ایسے صناع تھے کہ جو پھول کہیے کپڑے پر رنگ کے تیار کر دین لکھنؤ مین خصوصیت سے کلابتون کا کام نہایت نفیس بنایا جاتا تھا۔ دریان بھی پرانی روئی سے نہایت خوشنما بنائی جاتی تھین۔

نواب غازی الدین حیدر کی اختراع کی ہوئی کئی چیزین ہین مثلاً کشتیان کوئی مچھلی کی صورت کی اور کسی مین گھوڑے وغیرہ کی صورت بنی ہوتی تھی شکار کھیلنے کے ہاتھیون کے ہودے اس طرح کے بنوائے کہ شکاری جس طرف متوجہ ہو اُسی طرف ہودے کا رُخ پھر جائے بغیر طنابون اور میخون کے خیمے جو نصب کر دیے جاتے اور ہوا سے نہ گرتے عہد شاہی مین لکھنؤ مین ایک نئی قطع کا جوتا ایجاد ہوا جسکو یہان کے وضعدارون نے بہت پسند کیا اس جوتے کو خورد نوکا کہتے تھے یہ جوتے لال نری کے نہایت سُبک اور صاف بنائے جاتے تھے یہانتک کہ بعض موچیون کے ہاتھ کا جوڑا چار پانچ پیسون بھر سے زیادہ نہ ہوتا گرمیون کے خشک موسم کے لیے کاشانی مخمل کے برسات کے لیے کیمخت کے بننا شروع ہوئے۔ کیمخت بنانے کے بہت سے کارخانے جاری ہو گئے چند دن کے بعد جوتون کی آرائش مین اور ترقی ہو گئی اور سلمہ ستارے کے کارچوبی کام کے جوتے بننے

شروع ہوے جن مین مُقیش کے پھُندنے لگا کے عجب چمک دمک
اور آب و تاب پیدا کر دی جاتی اسکے بعد جب جھوٹا سلمہ اور کلابتون
آیا تو جھوٹے کام کے چڑھوین جوتے بننے لگے جو بہت سستے دامون
کو آتے تھے کھیتلا جوتا اور اوکھیان یہان کی ایسی کہین نہ بن سکین
انکی مانگ اسقدر بڑھی کہ آبادی کا ایک معتدبہ حصہ انھین کی تیاری
پر زندگی بسر کر رہا تھا۔ قبا۔ شال۔ دوشالے۔ رومال پہننے کا یہان
اتنا رواج ہوا کہ ہزارون شال بننے والے رفوگر اور شال کے دھونے
والے کشمیر چھوڑ کر یہان آباد ہو گئے لکھنو کے تمدن کے بدل جانے کا
یہ اثر ہوا کہ صنعت عامہ کی اکثر چیزین جو معاشرتی زندگی کے لیے
ضروری تھین ان کا بننا اور بازار مین آنا اور فروخت ہونا بند ہو گیا
مثلاً دسترخوان پر ایک ظرف تانبے کا ایسا رکھا جاتا تھا جو آجکل کے
جگ سے مشابہ ہوتا تھا اور اس مین دسترخوان کے کھانیوالے ہڈیان
رکھتے جاتے تھے اسے سفلدان کہتے تھے اسی طرح پشت کھجلانے
کے لیے ایک چیز پنجہ انسان کی شکل کی بنی ہوتی تھی اور جب پیٹھ
کھجانے کی ضرورت ہوتی تھی تو اس سے کام لیا جاتا تھا اسکو پشت خار
کہتے تھے اب یہ چیزین معدوم ہو گئین کہین کہین باوضع رئیسون
کے یہان کبھی نظر آجاتی ہین۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ محمد علیشاہ کے

عہد مین لکھنؤ مین پن چکی بنائی گئی تھی۔

مہاراجہ مان سنگھ یہ اجودھیا ضلع فیض آباد کے تھے ان کو علم ریاضی مین بھی کمال تھا اصطرلاب اور مان جنتر اپنے ہاتھ سے تیار کیا جو اب تک ریاست مین موجود ہے مہاراجہ صاحب بم کا گولہ چلانے مین بھی بہت ماہر تھے (تاریخ اجودھیا صفحہ ۱۴۹)

پٹھانا لکھنوی نصیری عہد مین اعلی درجہ کا تمباکو کشید نی بناتا تھا کہ اسمین مشک و عنبر کی خوشبو آتی تھی جسنے ایک گھونٹ کھینچا دم بھرنے لگا۔

عبداللہ لکھنوی کٹرہ ابو تراب خان کا رہنے والا تھا اسکی عطر کی دوکان سید حسین خان کے کٹرہ مین پھاٹک کے پاس تھی عطر سازی مین بےمثل تھا۔

دھومی خان لکھنوی تحسین گنج مین رہتے تھے ہنر بنانے مین یکتائے روزگار تھے۔

کلن خان لکھنوی محمود نگر مین رہتے تھے واجدی عہد کے تھے غدر کے بعد مرے معمولی پتھر کے دانے کو صاف کر کے ایک سوا ایک دانہ کا ایک کنٹھا بنایا تھا اسے اپنے ہاتھ مین

ِکھا کرتے تھے جسنے دیکھا اُسنے یہی سمجھا کہ سلیمانی پتھر ہے بڑے بڑے
وہری پہچان نہ سکے کلن خان دو پلکا ایسا بناتے تھے کہ بڑے بڑے
بصر جوہری دھوکا کھا گئے اور بمبی والون کو تو منہ پٹوا دیا سیکڑون
پلکے سچے کہہ کے بیچ لیے بیمثیل کاریگر تھے دورتی کے نگینہ کو کہٹی
ی کا بنا کر بیچ لیتے تھے ۔

جوتا سازی

بر علی لکھنوی نصیری عہد مین گذرے ہین خورد نو کا گھیتلا جوتا
س نوک جھونک کا بناتے تھے کہ دنیا مین اس کا جواب نہ نکلا
س قدر پُر تکلف بناتے تھے کہ دھنیا مہری افضل النسا خانم نے
انچ اشرفیون پہ بیچوایا (فسانۂ عبرت)

مومی کام

منشی لطف علی لکھنوی دارو غہ امام بخش غازی الدین حیدر
کے باورچی خانہ کے دارو غہ تھے ان کا

سب سے چھوٹا بیٹا منشی لطف علی لکھنو مین موم کے کام کا پہلا
شخص گذرا ہے محمد علیشاہ کے عہد مین مومی ضریح اسی نے پہلے پہل
بناکر پیش کی عہد حکومت واجد علیشاہ مین لطف علی نقشیون مین
نوکر تھے بعد انتزاع سلطنت پھر کسی کی نوکری نہین کی سنہ ۱۹ء
مین منشی لطف علی مر گئے اس وقت سے منشی مختار احمد صاحب ان کے
پاس آجتک مومی ضریح بناتے ہین یہ ضریح امام باڑہ حسین آباد کے
لیے بہت بلند بنتی ہے اور اس مین طرح طرح کے نقش و نگار اور دریچے
وغیرہ بنائے جاتے ہین جس سے مختار احمد صاحب کی اعلی درجہ کی
صناعی ظاہر ہوتی ہے اور سچ یہ ہے کہ اس کام مین دوردور یہ
اپنا جواب نہین رکھتے منشی مذکور نے اپنے خاندانی ایجاد و کمال کو
باقی رکھا ہے ایک سال کسی کاریگر نے حسین آباد کی ضریح چربی اور
موم کو ملا کر بنائی تھی مگر نتیجہ یہ ہوا کہ روشنی کی گرمی مین پگھل گئی۔

کاغذ کا کام

دُلّی چمار لکھنوی واجدی عہد کا تھا مشہور ہے کہ ایک انگریز بیرسٹر
قیمتی جوتا لندن سے لیکر لکھنو تشریف لائے معلوم نہین کیا اتفاق ہوا

کہ صاحب کے ایک پیر کا جوتا کھو گیا لکھنؤ بھر میں ویسا جوتا بن نہ سکا آخر کو دُلّی کو بلوایا اور کہا کہ ایسا ہی جوتا ایک پیر کا بنا دو جو مانگو گے دیا جائے گا دُلّی نے کہا کہ اسّی روپے لون گا اور اسی مین ملا دون گا اور آج کے آٹھوین دن جوتا دیدون گا بیرسٹر صاحب نے اسے منظور کر لیا اُسنے آٹھوین دن جوتا سامنے لیجا کر رکھدیا بیرسٹر صاحب پہچان نہ سکے کہ کون سا جوتا بنا کر لایا ہے صاحب نے اسّی روپے کے علاوہ اور زیادہ انعام دیا ایک دن بیرسٹر مذکور اسی جوتے کو پہن کر کہین تشریف لے گئے جب گھر پر آئے اور خدمتگار نے جوتا پیر سے اُتارا تو تلی الگ ہو گئی اور اوپر کا حصّہ الگ ہو گیا صاحب بہت جھنجھلائے اور دوسرے دن دُلّی کو بلوایا اور کہا کہ کیسا جوتا تم بنا کر لائے کہ ایک ہی دن مین نکل گیا دُلّی نے کہا کہ حضور کو کمال دکھایا ہے جوتا تو سب کاغذ کی دفتی کا بنا ہے بیرسٹر صاحب بہت خوش ہوئے اور دوسرا جوتا ویسا ہی بنوا کر اپنے یہان رکھ لیا۔

کارچوب بازدوزی

جنرل سکندر حشمت پرنس جواد علیخان واجد علیشاہ کے چھوٹے

بھائی تھے اُن کے پاس سبز مخمل کا ایک تاج تھا جس پر سنہری ستارونکا کام بنا تھا وہ ذرا میلا ہو گیا جب یہ لندن مین تھے تو اُنھون نے لندن کے ایک بڑے کاریگر کو بُلا کر کہا کہ ایک ایسا تاج ہم کو بناؤ اُسنے جواب دیا کہ ایسا کام لندن مین نہین بن سکے گا یہ کام لکھنؤ کا تھا اور تاج مین ستارے اس خوبی سے ٹانکے تھے کہ تھوڑی دور سے ایک سونے کا ڈلا نظر آتا تھا یہ نہین معلوم ہوتا تھا کہ یہ ستارون کا کام ہے (چمنستان مظفر صفحہ ۹۷)

مردان بیگ نصیری عہد مین تھے زردوزی ایسی نفیس بنتے تھے کہ دیکھنے سے تعلق تھا نہایت باریک ہوتی تھی ستر اسّی روپیہ کی آورگی (اوگھی) سادی کلابتون کی بنتے تھے۔

کپڑا بُننا

جولاہہ نام حافظ جمّن کا نواسہ تھا اور محلہ اشرافٹولہ (قصبہ سندیلہ) کا رہنے والا تھا اسنے پلنگ پوش بننے مین غیر معمولی ترقی کی تھی اسکے ہاتھ کے پلنگ پوش ولایت تک بطور تحفہ کے گئے (سوانح عمری مولوی مظہر علی صفحہ ۲۴۳)

سُناری

نواب ملکہ جہان زوجۂ ثانی محمد علیشاہ کے پاس ایک پازیب نہایت
عمدہ صراحی دار موتیون کی تھی اور اس مین نگینے جڑے تھے اُسکو خاص
لکھنو کے کاریگر نے نہایت صنّاعی سے بنایا تھا صفت یہ تھی کہ
جب پازیب کے پھول کو کھول دیجیئے اور گچھے کو اوپر کھینچئے تو گٹے سے
گھٹنے تک جالی دار جراب کی طرح پنڈلی کے چارون طرف لپٹ جاتی
تھی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس مین کوئی چمکدار شئے لگی ہے اور جب
بیچ کی کیل نکال لیجیئے تو خود بخود پھسل کر گٹہ پر آکر گچھے کی طرح بنجاتی تھی
یہ پازیب شہزادی نواب امیر جہان بیگم کو ملکہ جہان کے بعد ترکہ مین ملی
تھی جب شہزادی صاحبہ کابل کی لڑائی دیکھنے تشریف لے گئین تو
مکان مین چوری ہوئی اور مذکورہ پازیب بھی چوری ہوگئی۔

نواب ملکہ جہان کے پاس ایک نہایت نفیس اور خوشنما حقہ لکھنو کے
دستکار کا بنایا ہوا تھا اس کا وزن سترہ سو روپیہ بھر تھا یہ کل حقہ
چاندی کا بنا ہوا تھا جب حقہ پیا جاتا تھا تو تیلی یکے بعد دیگرے اپنے
پیر اُٹھاتی تھی اور چڑیا اپنی گردن اِدھر اُدھر پھیرا کر چون چون بولتی تھی
اور اپنے بازوؤن کو کھول کر پھیلاتی تھی یہ چڑیا آم کے درخت پر بیٹھی تھی

جو چاندی کا بنا تھا درخت مین کیریان بنائی تھین جن پر مینا کیا ہوا تھا
چوکی چاندی کی تھی اسی سے پیچوان نکالا تھا چوکی کے چارون کونون پر
چاندی کی ایک ایک پتلی تھی اور بیچ مین چاندی کی ایک بڑی پتلی
تھی جسکے ہاتھ مین حقہ تھا اسی پتلی سے کاریگر نے آم کا درخت نکالا
تھا پتلی کے ہاتھ مین جب نے دیجاتی تھی اور اس مین مہنال لگائی
جاتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ پتلی حقہ پلا رہی ہے ملکہ جہان نے اس
حقہ کو معرفت مسٹر فنڈل کیری ڈپٹی کمشنر لکھنؤ لندن کی نمایش مین
بھیجا تھا لندن سے ایک سارٹیفکٹ آیا تھا کہ ہندوستان سے اس سے
زیادہ نادر چیز نمایش مین نہین آئی یہی حقہ پرنس حیدر مرزا بہادر
نے سترہ سو یا سترہ ہزار روپیہ کو جوالا پہلوان کے ہاتھ فروخت کیا
پھر یہ حقہ حیدر آباد دکن یا بھوپال مین فروخت کیا گیا عدالتی کاغذات
مین حقہ کا ذکر موجود ہے اور داروغہ میر سید محمد مرحوم ساکن گھڑیالی
نے اسے دیکھا تھا جو ملکہ جہان کی حقیقی بہن کے نواسے تھے انھین نے
مجھے اس حقہ کی کیفیت لکھائی تھی۔

گھڑی سازی

رام دیال گھڑی ساز ولد پرم سکھ لکھنوی سخن تخلص تھا

آتش کا شاگرد تھا ؎

نگاہِ یار سے بچنا ہے لے سخن دشوار   پڑا ہے دشمن جان سے مقابلہ دل کا

(سراپا سخن صفحہ ۲۷۸)

لکڑی کا کام

بدایون مین ایک شخص نہایت سُبک اور خوشنما لکڑی کے چمچے کانٹے اور چھریان بنایا کرتا تھا ایسی چیزون کی اکثر یورپین قدر کرتے اور اپنی میزون پر یا گھرون مین بطور نمائش کے رکھتے تھے اس کاریگری کی بدولت اِس کاریگر کا نام حاجی چمچہ ہو گیا اور ابتک اسکی تمام نسل اسی نام سے مشہور ہے (کنز التاریخ صفحہ ۱۶۰)

بندوق و توپ سازی

مسیو سون اور مسیو پیڈرو یہ دو فرانسیسی تھے جو نواب شجاع الدولہ کی سرکار مین ملازم تھے یہ سپاہیون کو فوجی تعلیم دینے اور توپین بندوقین اور دیگر

اسلحہ جنگ اپنے اہتمام سے تیار کراتے تھے۔

مرزا عبدالعزیز لکھنوی چوبداری محلہ یا محمودنگر مین رہتا تھا واجدی عہد کا تھا کوئی دس سال ہوے کہ مر گیا نظیر آباد مین اسکی دوکان بندوق بنانیکی تھی ایک مرتبہ اسنے دونالی بندوق بنائی کل پُرزے کُندہ اور نال اپنے ہاتھ سے تیار کی اور نواب مرزا جعفر علیخا نصاحب رئیس شیش محل کے روبرو پیش کی نواب مرحوم خود بڑے شوقین اور مبصر تھے یہ بندوق بالکل ولایتی اور مشین مین ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی نواب مرحوم نے مرزا مذکور کو کافی انعام دیا تھا (زبانی مرزا عبدالعزیز) اس کالڑکا بھی آبائی کام سے واقف ہے عہد واجد علیشاہ مین ایسی توپین بنتی تھین جنکا گولہ بارہ کوس جاتا تھا

فن طباعت

نصیرالدین حیدر کے عہد مین لکھنؤ مین لیتھوگراف کا ایک چھاپہ خانہ اشاعت کتب کے لیے قائم ہوا شیخ احمد عرب یمنی مقرب بادشاہ تھے اُنھون نے مطبع سلطانی کھولا اکثر کتابین طبع ہوئین خاص کر بادشاہ نے اس شاہنامۂ فردوسی کے چھاپنے کے لیے پچاس ہزار روپ

عطا کیا جسکو کپتان مکان نے بعد اخراج اشعار اسدی وغیرہ
انتخاب کیا تھا واجد علیشاہ کے عہد تک آتے آتے فن طباعت
کو اودھ مین بہت ترقی ہوئی سلطانی مطبع مین ہزارہا کتابین چھپکر
شائع ہوئین شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری سے معلوم ہوا
کہ انھون نے نستعلیق ٹائپ کی چھپی ہوئی کتاب عہد واجدی کی
اُردو نمائش واقع لکھنؤ مین دیکھی تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہی
مین اس فن مین اتنی ترقی ہوچکی تھی جسکا اب پتا نہین عہد امجد علیشاہ
مین ہزارون روپے خزانہ شاہی سے کتابون کے چھاپنے کے لیے
ملتے تھے غازی الدین حیدر کے زمانہ مین ارسل نامے ایک یورپین
نے پہلا مطبع لکھنؤ مین کھولا اور پریس تیار کر کے چھاپنا شروع کیا
چنانچہ کتاب ہفت قلزم جو خود غازی الدین حیدر کی تصنیف ہے
شرح منازل۔ محامد حیدری وغیرہ اسی زمانہ مین تصنیف ہو کر
طبع ہوئین ۱۸۴۸ء مین خاص لکھنؤ مین بارہ چھاپہ خانے لیتھوگرافی
کے موجود تھے جن مین مطبع میر حسن اور مطبع مصطفائی بہت مشہور ہین

مطبع علوی یہ مطبع علی بخش خان نے عہد شاہی مین کھولا تھا۔

مطبع حاجی حرمین یہ مطبع عہد شاہی مین ایک حاجی حرمین شریفین نے کھولا تھا اور اس مین بہی

اور مذہبی کتابین ایسی چھپین کہ اہل بصیرت کے نزدیک کہین اور نہ چھپ سکین۔

مطبع مصطفائی عہد شاہی کے آخر دور مین شیشہ آلات کے ایک دولت مند تاجر مصطفےٰ خان نے اس مطبع کو کھولا تھا مصطفےٰ خان کچھ چھاپنے کے لیے حاجی حرمین کے پاس لے گئے اور حاجی صاحب کی زبان سے کوئی ایسا سخت کلمہ نکل گیا کہ مصطفےٰ خان نے اپنا مطبع جاری کر دیا جسے غیر معمولی فروغ ہوا۔

مصلح سنگی

مصطفےٰ خان مالک مطبع مصطفائی تھے جنھون نے مصلح سنگی کا فن ایجاد کیا نسخ اور نستعلیق کو پوری شان کے ساتھ پتھر پر اُلٹا لکھ دیتے تھے (گذشتہ لکھنو صفحہ ۱۲۵)

تجارت وصنعت

زراعتی دولت مین اودھ کا صوبہ ہمیشہ زرخیز رہا اسکی معتدل آب وہوا

زمین کی زرخیزی اور کافی بارش کی وجہ سے یہاں افراط سے گیہون
چاول۔ جو۔ چنا۔ باجرا اور دیگر غلّے پیدا ہوتے اور بیش قیمت فصل
مثل روئی۔ افیون۔ نیشکر۔ خربزہ۔ تربوز۔ برگ تنبول اکثر جگہون پہ
پیدا ہوتے ہین مختلف قسم کے پھل خصوصًا آنبہ کی پیداوار یہاں
کے دیہاتون کا سرمایۂ ناز ہے اور باغ ہند کا نام اسکے لیے سزاوار
ہے (کتاب انگریزی اوّل دو نواب اودھ صفحہ ۲۶۴)
صنعت وحرفت مین بھی یہ صوبہ سلاطین اودھ کے عہد مین ممتاز رہا
سترھوین صدی عیسوی مین سوتی کپڑے لندن کی تجارت گاہون
کے لیے سرمایۂ ناز تھے دریاباد اور خیرآباد کے کپڑون کی فروخت
کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہاں کارخانہ کھولا تھا چھینٹ۔
گزی۔ کھدر یہاں کا دور دور مشہور تھا اس صوبہ مین دولت مند
تاجر بھرے پڑے تھے یہاں کی دستکاری کی چیزین باہر بھیجا کرتے تھے
عطر تیل اور خوشبو کی چیزین یہاں سے دور دور جاتی تھین (اقتباس
از کتاب انگریزی موسومہ اوّل دو نواب اودھ صفحہ ۲۶۴) اُنّاؤ
یا اٹام کے پیڑے دور دور جاتے تھے اور مشہور تھے (ملاذ الکلمات)
کاشتکاری کے فن کو خاصی ترقی تھی خاص ضلع اناؤ مین اعلےٰ درجہ کے
چاول پیدا ہوتے تھے (تاریخ اودھ مولفہ نجم الغنی رامپوری جلد ۳ صفحہ ۲۴۸)

کسانی

حسام الدولہ فقیر محمد خان دربار لکھنؤ مین رسالہ داری کے منصب پر فائز تھے قدرتاً ایسے ذہن اور ادراک اور عالی دماغ تھے کہ آم کے درخت کا پتا سونگھ کر اُسکے پھل کے میٹھے اور کھٹے ہونے کا حال بیان کر دیتے تھے (چمنستان مظفر صفحہ ۱۳) حسام الدولہ نے واجد علی کے عہد مین ۱۸۵۳ء مین انتقال کیا۔

غازی الدین حیدر نے اپنے عہد مین ایک اسٹیم انجن سولہ گھوڑون کی قوت کا لگایا جس سے نہر اور باغ مین پانی جاتا تھا آبپاشی کے لیے بہت بڑی نہر کھدوائی جو آج تک غازی الدین حیدر کی نہر کے نام سے مشہور ہے۔ لکھنؤ مین فیض اللہ گنج کے گنّے۔ شہد پور کے خربُزے۔ موضع گھیلا کے رسیلے شربتی تربوز مشہور تھے۔

تفریحی فنون

جانورون کی لڑائی کا فن

شاہان اودھ کے زمانہ مین مختلف درندون اور پرندون کو خاص عنوان سے تعلیم دیکر لڑانے مین صدہا کاملین گذرے اور یہ مسلمہ ہے کہ اس فن مین جیسے کرشمے اور تماشے سوا دلکھنو مین دیکھے گئے ہندوستان کیا ساری دنیا مین کہین نہ دیکھے گئے ہون گے یہ شوق تین طرح پورا کیا گیا۔

(الف) قسم اوّل جانورون کو لڑانا (۱) شیر (۲) چیتے (۳) تیندوے (۴) ہاتھی (۵) اونٹ (۶) گینڈے (۷) بارہ سنگھے (۸) مینڈھے

(ب) طیور کو لڑانا اور اڑانا یا اُن سے تماشے کا ظہور مین آنا۔

لڑانے والے طیور مین (۱) مرغ (۲) تیتر (۳) بٹیر

(۴) لوون کی لڑائی (۵) گلدم لڑانا (۶) لال لڑانا۔

اڑنے والے طیور ہین۔ کبوتر۔ طوطے۔

تماشا کرنے والے طیور ہین۔ بیا۔

(ج) تکل اور کنکوے اُڑانا۔

چاند گنج کے راستے مین ایک عظیم الشان مویشی خانہ جسے آج کل کے زمانہ کی اصطلاح مین زندہ جانورون کا عجائب خانہ کہنا چاہیئے نصیر الدین حیدر نے آراستہ کرایا تھا اس مین اسقدر کثیر اور عجیب اور مختلف اقسام کے جانور تھے جس کا اندازہ کرنا غیر ممکن تھا بادشاہ کے پاس ایک شیر تھا جس کا نام بھوریا تھا یہ شیر کوہ ہمالیہ کے دامن کے ایک موضع بھوریا سے پکڑ آیا تھا اور اس وجہ سے اس کا یہ نام ہوا بادشاہ کے یہان ایک چیتا گگرانامے بڑا گران ڈیل تھا۔ بہت سی لڑائیان جیتے ہوے تھا اس کی کھال پر دھاریان نہایت خوشنما تھین ایک ہاتھی صرف ایک دانت کا ایسا زور آور کوہ پیکر تھا کہ تنہا اسنے سو مرتبہ لڑائی مین فتح حاصل کی تھی اس کا نام ملیر تھا ایک گھوڑا مردم خور کے نام سے مشہور تھا کیونکہ وہ بہت سے لوگون کو ہلاک کر چکا تھا ایک کمیت رنگ کا نڈر گھوڑا تھا جسکو شیر اور ارنے بھینسے تک نہ مار سکے بلکہ خود زخمی ہو گئے ہاتھی کی لڑائی۔ مینڈھے کی

لڑائی۔ مرغ کی لڑائی اور دیگر جانوروں کی بازی کا رواج تھا جبکہ
بعض اہل کمال کے تذکرے سے جو ذیل میں بطور نمونہ دیے جاتے ہیں
معلوم ہوگا۔ بٹیر بازی کی ابتدا لکھنؤ میں نواب یمین الدولہ کے وقت سے
ہوئی پہلے یہاں پنجابی بٹیر لڑانے آئے تھے پھر جب لکھنؤ والوں نے
اسمیں دلچسپی لی تو اسکو ایک مستقل فن بنا کے چھوڑا جانوروں کے علاج
ہزارہا نسخے لڑانے کے طریق اور جانوروں کو طرح طرح سے سکھا کر
بازیوں میں شامل کرنا ایک شیوہ ہوگیا ہزاروں آدمیوں کے لیے
یہ روزی کا ذریعہ نکل آیا آصفی عہد میں مینڈھے لڑانے کا فن بھی بہت
زوروں پر تھا ہندوستان میں اس کا آغاز بلوچیوں سے ہوا اور رفتہ رفتہ
یہ لکھنؤ میں بھی پھیل گیا مرغ کی لڑائی کی ایجاد نواب شجاع الدولہ کے
عہد میں ہوئی نواب آصف الدولہ کو بھی مرغوں کی لڑائی کا شوق
تھا آصفی عہد میں ہاتھیوں کی لڑائی کا بھی چرچا تھا دولت کی فراوانی
تھی امرا کے لیے یہ تفریح کا ذریعہ تھا اور بہت سے غربا اسمیں پلتے
تھے اور جانوروں کے سکھانے اور انکو بنانے میں طرح طرح کی حکمتوں
اور ریاضتوں کی نمائش ہوتی تھی۔

مرغ بازی

جنرل مارٹن عہد آصفی مین لکھنو آیا یہ فرانسیسی تھا نواب آصف الدولہ نے گورنر جنرل کو لکھکر کپتان مارٹن کے خدمات اپنے توپخانہ کے لیے ۱۷۷۶ء مین منتقل کرا لیے مارٹن مرغ بازی مین اچھی دستگاہ رکھتا تھا مارٹن ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۰۰ء مین کوٹھی فرح بخش مین مر گیا

استاد مرغ باز مشہور مرغ باز جو اپنے فن مین استاد یگانہ مانے جاتے تھے بہت سے تھے جن مین خاص خاص یہ ہین شیخ گھسیٹا۔ منور علی جنکو یہ کمال حاصل تھا کہ مرغ کی آواز سنکر بتا دیتے تھے کہ یہ بازی لیجائے گا۔ صفدر علی۔ سید میرن صاحب فضل علی۔ قادر۔ جیون خان۔ حسین علی۔ نوروز علی۔ نواب محمد تقی خان میان جان۔ دل۔ چھنگا۔ حسین علی بیگ۔ احمد حسین وغیرہ۔

بٹیر باز

بٹیر بازی کا شوق لکھنؤ مین پنجاب سے آیا لکھنؤ مین بٹیر بازی کے شوق نے ایسے ایسے باکمال بٹیر باز پیدا کیے جنکا کہین نظیر نہین ملتا بعض لوگون نے یہ کمال پیدا کیا تھا کہ کسی اچھے نامی بٹیر کو ایک نظر دیکھا اور کسی معمولی بٹیر

کی ویسی ہی صورت بنادی اور کسی موقع پر باتون باتون مین بدل دیا بعض استاد بھگے بٹیر کو تیار کر کے اچھے اچھے کریہ ون سے لڑا دیتے اور وہ بازی لیجاتے۔

کامل بٹیر باز میر بچو۔ میر عمدو۔ خواجہ حسن۔ میر فدا علی چھنگا۔ میر عابد۔ سید میرن۔ داروغہ غلام عباس۔ چھوٹے خان۔ غلام محمد۔ غالب علی بیگ۔ مرزا اسد علی بیگ۔ نواب مرزا صاحب میان جان۔ شیخ مومن علی۔ غازی الدین خان وغیرہ۔

کبوتر بازی

میر عباس لکھنوی غازی الدین حیدر کے عہد مین کبوتر بازی کے فن مین بڑے صاحب کمال تھے وہ کبوترون کو اس طرح سے سکھاتے تھے کہ جہان سے چاہتے تھے ان کو اڑاتے تھے اور جب سیٹی بجاتے کبوتر پنجرے پر آکر بیٹھ جاتے۔

ایک باکمال کبوتر باز نصیری عہد مین ایک بزرگ تھے جو دو پٹھے لیکر ایک کا داہنا بازو اور دوسرے کا بایان بازو کاٹ دیتے تھے اور کٹے ہوئے بازو نکی

جگہ دونون کو ملا کر ٹانکے دیتے اور ایک دوہرا کبوتر بنا لیتے تھے
ان کو بڑی داشت سے پالتے تھے اور وہ دونون ایک ساتھ
اُڑتے تھے اکثر معمول تھا کہ جب بادشاہ بجرے پر سوار ہو کر چتر منزل
سے دریا پار جاتے اور کوٹھی دل آرام مین بیٹھکر دریا کی سیر دیکھتے تو
یہ اس پار سے اپنے عجیب الخلقت دوہرا کبوترون کو اڑا دیتے
تھے جو بادشاہ کے قریب جا کر بیٹھ جاتے بادشاہ انھین دیکھکر بہت
خوش ہوتے اور انعام دیتے۔

کبوتر کو رنگ کر جیسا چاہتے بنا دیتے تھے

میر امانت علی اکثر پر اکھاڑ کر دوسرے رنگ کا پر اسی کے
سوراخ مین رکھ کر اس طرح جما دیتے کہ وہ اصلی پرون کی طرح
جم جاتا اور بہت سے مقامات پر رنگ سے کام لیتے مگر ایسا
مضبوط اور پختہ رنگ ہوتا کہ مجال کیا جو ذرا بھی پھیکا پڑ جائے
سال بھر تک یہ رنگ قائم رہتا بعد سال بھر کے کریز مین جب
پر گر پڑتے تو پھر اصلی رنگ نکل آتا تھا وہ ایسے کبوتر امرا کے
ہاتھ پندرہ بیس روپیہ کو فروخت کر ڈالتے میر صاحب بھانتیہ
بھی بنا لیا کرتے تھے جو لاکھون مین ایک ہوتا ہے۔

نواب پالے اعلے درجہ کے کبوتر باز تھے جو گرہ باز کبوترون کو

گرون کی طرح اڑاتے کمال یہ تھا کہ جس جگہ اور جس مکان پر چاہتے
چھپی کے اشارے سے بازی کرا دیتے یعنی کبوتر ہوا مین قلابازیان
کھانے لگتے تھے (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۱۵۶)

مرزا علی عباس نوازگنج مین رہتے تھے اور واجدی عہد کے
تھے اِن کا کمال یہ تھا کہ اپنے گھر کے پالو کبوترون مین سے کوئی
ایک لیلیا اور گھر مین کسی سے کہدیا کہ جب یہ کبوتر کوٹھے پر آکر بیٹھے
تو اور کبوتر جو ٹھاٹھر مین بند ہین انھین کھول دینا یہ کہکر کبوتر ہاتھ مین
لیکر چلے اور کسی رئیس کے یہان آئے اور اُن کے کوٹھے پر گئے اور
اس کبوتر کو اُنکے ٹھاٹھر مین اکیلا چھوڑ دیا چند منٹ کے بعد
ٹھاٹھر کو کھولا کبوتر نکل کے ٹھاٹھر پر بیٹھا اُنھون نے
اُسے اُڑا دیا وہ اپنے گھر پر آکے ٹھاٹھر پر بیٹھ گیا بموجب ہدایت کے
گھر مین کسی نے اُنکے ٹھاٹھر کی کھڑکی کھولدی سب کبوتر نکل کے بیٹھے
وہ پہلے والا کبوتر اُڑا آگے آگے وہ اور پیچھے بقیہ سب کبوتر اُڑتے ہوے
وہان پہونچے جہان سے مرزا صاحب نے اِس کبوتر کو اڑایا تھا اُنھون نے
دانہ ڈال دیا سب کبوترون نے کھایا مرزا صاحب کوٹھے سے
اُتر کے نیچے آئے کبوتر سب کے سب اپنے گھر چلے آئے۔
دوسرا کمال اُن کا یہ تھا کہ اپنے سب کبوتر شہر بھر مین جہان چاہتے

لیجاتے اور کسی نواب یا رئیس کے کوٹھے پر انھین لیجا کر لڑاتے یا اُڑاتے
جب نواب صاحب خوب تماشا دیکھ چکتے تو وہی دانہ جو یہ اپنے گھر پر
کبوترون کو دیا کرتے تھے نواب صاحب کے کوٹھے پر ڈال دیتے
اور اپنے گھر چلے آتے جب کبوتر دانہ کھا چکتے پھر کسی کے لڑائے نہ لڑتے
اور سیدھے اپنے گھر ملیٹ آتے۔

تیسرا کمال اُن کا یہ تھا کہ لکھنؤ سے بمبئی گئے اور وہان کبوتر خریدے اور
پنجرے مین سب کو بند کیا اور جہاز پر کربلائے معلے روانہ ہوے جہاز
چھوٹا اُنھون نے پنجرہ کبوترون کا کھولدیا کبوتر اڑا رہے ہین جہاز چلا
جاتا ہے جب سیٹی دی اور آ کہا کبوتر اپنے پنجرے پر آ کر بیٹھ گئے پورے
سفر مین یہی تماشا کرتے گئے معلوم نہین کونسی گولی کبوتر کو کھلا دیتے تھے
اور دانے مین کونسی دوا ملا دیتے تھے کسیکو بتایا نہین اپنا کمال اپنے ساتھ قبر مین لیگئے

مرزا قین واجدی عہد کے تھے مفتی گنج مین رہتے تھے اور مرزا قین
کے نام سے مشہور تھے یہ زیادہ تر کبوتریان پالا کرتے تھے ایک دن
گنگنی شوکل کے تالاب سے ایک کبوتر باز انکے پاس آئے اور کہا کہ
جب جانون کہ آپکے کبوتر میرے کبوترون سے گنگنی شوکل کے تالاب پر
لڑین انھون نے کہا کہ بہت اچھا آج کے تیسرے دن لڑاؤن گا اور اپنے
ٹھاٹھر سے دو کبوتر نکال کے اُن جناب کو دیے کہ انکو لیجا کر تھوڑی دیر

کے لیے ٹھاٹھر مین چھوڑ دیجئے اور اسکے بعد اڑا دیجئے گا وہ کبوترون کو
لے گئے اور حسب ہدایت عمل کیا دونون کبوتر اڑتے مفتی گنج چلے آئے
مرزا قین نے تیسرے دن اُن دونون کبوترون کو اپنے دیگر کبوترون کے
ساتھ اڑایا اور گنگنی شوکل کے تالاب کی طرف ہانکا پہلے والے دونون
کبوتر آگے آگے باقی کبوتر پیچھے پیچھے اُڑتے ہوئے گنگنی شوکل کے تالاب پہ
پہنچے اور اُنکے کبوترون سے لڑے اور اُنکے دو کبوتر لیئے ہوئے مفتی گنج
آئے مرزا قین نے اِن دونون کبوترون کو مار لیا دوسرے دن وہ آکر
اپنے دونون کبوتر لیگئے اور اُنکی اُستادی کے قائل ہو گئے ۔

طوطے اُڑانا

میر محمد علی لکھنوی محمد علیشاہ کے عہد مین تھے انھون نے طوطون سے
کبوترون کا کام لیا اور بڑا کمال حاصل کیا طوطا فطرتاً بیوفا جانور ہوتا ہے
وہ پنجرے سے نکلتے ہی اڑ جاتا ہے لیکن خدا جانے میر صاحب نے
کونسا افسون دم کر دیا تھا کہ طوطے کی فطرت بدلدی تھی یہ دس بارہ
طوطون کی ٹکڑی اُڑاتے تھے اور کیا مجال تھی کہ میر صاحب سیٹی بجا کر
بلا کرین اور وہ آسمان سے اُتر کر سیدھے پنجرے مین نہ جائین میر صاحب
روز حسین آباد مین آکر طوطون کی ٹکڑی اڑاتے تھے (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۱۵۸)

بیا کی تعلیم

محمد علیشاہ کے عہد مین ایک شخص نے بیا کو ایسا سکھایا تھا کہ وہ نیم کی پتی کوڑی یا نگلی اچھال کر اس سے منگواتا تھا اور بیا سے توپ چھڑواتا تھا اور طوطا جلتی ہوئی بنیٹھی ہلاتا تھا یہ ہنرمندی اسی زمانہ والونکی ذہانت کا ادنی کرشمہ تھا جس کا جلوہ کچھ کچھ اس زمانہ مین بھی نظر آتا ہے (فسانہ عبرت صفحۂ ۳۲)

کنکوا سازی

نواب یوسف حسین خان طباطبائی امجدی عہد مین پیدا ہوے تھے اور شاعر بھی تھے خود بڑے رئیس تھے شوقیہ کنکوے بناتے تھے اور ایسے صاف بناتے تھے کہ کہین جھرس نہ ہوتی تھی اُن کے ہاتھ کا کنکوا مشہور تھا نواب موصوف حکیم مہدی کے مقبرہ مین دفن ہین۔

خیراتی وجھنگا نصیری عہد مین یکتائے روزگار پتنگ ساز تھے۔

مردان بیگ نصیری عہد مین مانجھا بنانے یا سوتنے کے استاد تھے

کنکوّا بازی

مولوی عمدو نصیری عہد مین گذرے ہین ستر کھپتر تار ڈور پر بیجد لمڈورا
اڑاتے تھے مولوی مذکور بہت متحنی سے تھے۔
مرزا نظیر علی عہد شاہی مین تھے اُنھون نے ہاتھ اور نظر مین یہ زور
بہم پہنچایا کہ سات تار کا پتنگ مڈھا پھینک کر بڑھایا چھ یا سات سیر
ڈور پر قائم کوٹ ہوتی تھی۔
ولایت علی لکھنوی واجدی عہد مین کنکوا بازی مین استاد تھے
مولایتی کہلاتے تھے۔
الٰہی بخش ٹنڈے واجدی عہد مین گذرے مٹیا برج جا کر پتنگ
بازی مین مشہور ہوے لمڈورے پیچ لڑانے کے استاد تھے۔
مشہور استاد خواجہ مٹھن شیخ امداد پرانے نامی اُستاد تھے۔
اسی طرح نواب محمد حسین خان سالار جنگی آغا ابو تراب خان وغیرہ۔

علم کی چھڑ اُٹھانا

آغائی مرزا لکھنوی عہد شاہی کے تھے محلہ نیا گاؤن مین رہتے
تھے چھڑ اٹھانے مین تمام ہندوستان مین ان کی شہرت تھی اور جسم

کے تمام حصّوں حتےکہ ناخنوں اور گھائیوں پر بہت لمبی چھڑ کو اٹھانے اور سنبھالنے کے علاوہ تلوار دانتوں مین پکڑ کر اسکی دھار پر چھڑ کو اُٹھاتے اور سنبھالتے تھے ۸۔ اور ۹۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء کی درمیانی شب مین فالج سے انتقال کیا (روزنامۂ ہمدم لکھنؤ جمعہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء جلد ۱۳ نمبر ۳۳۶ صفحہ ۵ کالم ۲۔ ایڈیٹر سید جالب دہلوی)

پان کی گلوری وغیرہ

لکھنؤ کے امرا کی نفاست مزاج کی وجہ سے یہان کے تنبولیون نے صنعتی اصول پر پانون کو یہ ترقی دی کہ یہان کے پان سب جگہ سے بڑھ گئے پان کو مہینون زمین مین دفن کر کے اس کا کچاپن دور کیا جاتا تھا بیگمی پان کہلاتے تھے چونے کو خاص طور پر صاف کرتے کتھے کو راکھ بھرے ہوئے طباق پر کپڑے پر پھیلا کر کڑواپن دور کرتے تھے اور ڈلی کو نفیس کاٹنے مین لکھنؤ نے کمال درجہ ترقی کی نصیر الدین حیدر کے لیے گز بھر کی لمبی گلوری بنتی تھی اور لطف یہ تھا کہ جہان سے کاٹکر کھایئے مصالحہ برابر پایئے (فسانہ عبرت صفحہ ۹) مفتی گنج مین ایک بیگم صاحبہ بمثل قوام کی گولیان بناتی تھین اہل لکھنؤ سوا انکے ہاتھ کی بنی ہوئی گولیون کے کسی کارخانے کی گولیان پسند نہین کرتے تھے (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۳۳۲)

شطرنج ڈرافٹ چوسر

پرنس دارا قدر تیموری لکھنوی شہزادہ سکندر قدر تیموری کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے واجدی عہد کے پیدا تھے چوسر ڈرافٹ خوب کھیلتے تھے اور شطرنج سب کھیلون مین بہتر کھیلتے تھے جناب مرزا محمد عسکری صاحب ساکن عبدالعزیز روڈ نے انکا کمال شطرنج مین دیکھا ہی یورپ سے ایک انگریز لکھنو آیا اور وہ ان سے شطرنج کھیلا انھون نے اسکو شکست دی وہ ان کی استادی کا قائل ہو گیا اب سے دس سال پہلے انتقال کیا اور اپنے آبائی مقبرہ واقع عالم نگر مین دفن ہوے آپکے صرف ایک صاحبزادہ مرزا ذی ہوش قدر ہین۔

چوسر

سید حسین لکھنوی واجدی عہد کے تھے چوسر کھیلنے مین ہندوستان بھر مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے مٹیا برج مین واجدی سرکار سے وابستہ تھے ریاست رامپور مین ہز ہائینس نواب حامد علیخان مرحوم کی سرکار سے وابستہ ہو گئے تھے اور وہین مر گئے چوسر ایسی کھیلتے تھے کہ رنگ بدرنگ سب کھلا دیتے اور بازی جیت لیتے تھے۔

آتشباز

نواب آصف الدولہ نے اپنے لیپالک نواب مرزا وزیر علیخان کی شادی اشرف علیخان کی بیٹی سے کی تھی شیش محل سے عیش باغ تک تین میل کا فاصلہ ہے کل راستہ مین روشنی کے ٹھاٹھر لگے تھے آتشبازی بہت اعلی سے اعلی قسم کی تھی ایک آتشباز نے منجملہ اور آتشبازی کے ایک غبارہ ایسا بنایا تھا جو اتنا بلند اڑتا تھا کہ ستارہ معلوم ہوتا تھا اور وہین ایک گھڑی تک قائم رہتا تھا (تاریخ اودھ مؤلفہ نجمی رامپوری)

محمد شاہ لکھنوی عہد شاہی کے آتشباز تھے اور شاعر بھی تھے (سراپا سخن صفحہ ۲۲)

فن دزدی

فتو لکھنوی نواب یمین الدولہ کے عہد کا تھا مصاحب گنج مین رہتا تھا دس بارہ گز کی اونچی دیوار باآسانی پھاند جاتا تھا اور دومنزلہ سہ منزلہ مکان کی چوٹی پر سے بلا تکلف نیچے کود پڑتا تھا اسکی چالاکدستی کی ایک معمولی مثال یہ ہے کہ لکھنؤ کے کسی رئیس کے پاس ولایتی پستول کا ایک جوڑ تھا فتو نے اسے اسکے مالک سے مانگا مالک کے انکار پر فتو نے اُسے نوٹس دیا کہ وہ اُسے چرا لے گا چنانچہ باوجود پستول کے مالک کی

سخت نگرانی کے فتو اُسے چرا لیگیا اور دوسرے دن مالک کے سامنے
لا رکھدیا۔ کسی زمانہ مین فتو چوری کی علت مین قیدخانہ مین تھا اسی
اثنا مین محرم کا زمانہ آگیا فتو نے محافظ قیدخانہ سے دس دن کی آزادی
کی خواہش کی تاکہ وہ گھر پر عزاداری کرسکے محافظ کے انکار پر فتو زنجیرون
کو توڑ کر قیدخانہ سے نکل گیا اور دس دن کے بعد قیدخانہ مین واپس آکر
اپنے ہاتھ سے زنجیرین پہن لین (طلسم ہند صفحہ ۳۵۷-۳۵۸) فتو کا
ایک کمال یہ تھا کہ لکڑی کو ٹیکا اور چٹک کے کوٹھے پر پہنچ گیا۔

محمدو گلباز شیوپری کے رہنے والے تھے اور واجدی عہد کے تھے
انکے دونون خسارون پر شاہی مین چوری کرنیکی سزا مین گل دیے گئے تھے
اسوجہ سے گلباز مشہور ہوگئے تھے ایکدن محمدو اپنے لڑکے کو گود مین
لیے چوک سے گذر رہے تھے ایک مہاجن کی دوکان پر جڑاؤ پنکھیا
رکھی تھی ان کا بٹیا پنکھیا کو دیکھکر رونے لگا کہ مین لون گا محمدو نے
مہاجن سے کہا کہ بھائی پنکھیا دیدو مین لڑکے کو بہلا کر ابھی دیدون گا
مہاجن نے کہا کہ ہم نہین دینگے محمدو نے کہا کہ بہت اچھا اِس کو
ہوشیاری سے رکھیے گا یہ کہکر چلے آئے اور رات کو جاکے پنکھیا چرا لائے
اور تیسرے پہر کو چوک آکر پنکھیا مہاجن کے سامنے رکھدی۔

لیلی لکھنوی واجدی عہد کا تھا سعادت گنج مین رہتا تھا

غدر کے بعد مرا ہے مشہور ہے کہ یہ اپنا کمال آٹھون کے میلہ مین دکھاتا تھا اِس کا کمال یہ تھا کہ جوتا پیر مین پہنے کوئی رئیس جا رہا ہے اِدھر اسنے زمین سے پیر اٹھایا اسنے ایک پیر کا جوتا لے لیا جب بغیر جوتے والا پیر زمین پر ٹکا اور دوسرا پیر اٹھا دوسرا جوتا بھی نکال لیا اس سہولت سے جوتا نکال لیتا تھا کہ مطلق خبر نہ ہوتی تھی تھوڑی دیر کے بعد جوتا لاکر پیش کر دیتا اور لوگ خوشی سے انعام دیتے تھے ڈوری دار جوتے کو بھی اسی طرح اُتار لیتا تھا۔

سانپ پکڑنا

رمضان علی واجدی عہد کا تھا نواب گنج مین رہتا تھا تھوئی کا کام کرتا تھا سانپ پکڑنے مین اپنا جواب رکھتا تھا ہزارون سانپ پکڑ ڈالے ہمیشہ بائین ہاتھ سے سانپ پکڑتا تھا اور کہتا تھا کہ جو لوگ داہنے ہاتھ سے سانپ پکڑینگے وہ زک اٹھائینگے کیونکہ سانپ داہنے طرف منھ مارتا ہے اسکے بہت سے شاگرد لکھنو مین موجود ہین بہت سے سانپ کے کاٹے ہوے لوگون کو اسنے اچھا کیا جھاڑنے کا طریقہ یہ تھا کہ جسکو سانپ نے کاٹا اس کا کوئی عزیز پکارتا ہوا چلا کہ اُٹھو ڈنک جاگو جب رمضان سنتا اس آدمی کو اپنے پاس بلاتا اور کچھ

بڑھکر ایک طمانچہ یا چپت اُسکو مارتا وہ غش کھا کے گر پڑتا اور جسکو
سانپ نے کاٹا تھا وہ جہان ہوتا اُٹھ بیٹھتا تھا بعد کو جسے غش آگیا
تھا وہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا تھا میرے سامنے کتنی بار ایسا
اتفاق ہوا۔ ایکبار اخبار ہمدم مین سید جالب صاحب مرحوم ایڈیٹر
کے زمانہ مین مین نے اسکے کمال کو چھپوا دیا تھا۔
ایکبار رمضان علی ایک سیاہ او رپتلا سانپ پٹاری مین بند
کر کے دکھلانے لایا ڈیڑھ بالشت کا سانپ تھا جو نہایت زہریلا تھا
اس سانپ کے پھن کو چھوڑ کر باقی سارا حصہ عباسی رنگ کا رنگدیا
اور افریقیہ سے ایک انگریز سانپ خریدنے لکھنؤ آیا تھا اس سانپ کو
سو روپیہ کو مول لیا وہ انگریز یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ رنگا ہوا سانپ ہے
پانچ سال کے قریب عرصہ ہوا کہ رمضان علی نوابگنج مین بخار سے مر گیا

عملیات و شعبدہ بازی (نیرنجات)

شیخ خواجہ حسن آصفی عہد کے بہت زبردست عامل تھے۔
مولوی علم الہدا و شاہ حبیب اللہ یہ دونون بھائی موضع بجنور
لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور آصفی عہد کے مشہور عامل تھے جو نقش و تعویذ دیتے تھے۔
شیخ نجابت علیشاہ یہ بزرگ نواب یمین الدولہ کے عہد مین فرنگی محل

مین رہتے تھے ایکبار یہ اتفاق ہوا کہ نواب صاحب نے اپنے آبدار وضو کو بلا مانگے پانچ سو روپے دیدیے اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ مین نے تم کو اسقدر روپیہ کیون دیا کیا تمنے کوئی عمل پڑھوایا ہے ملازم نے عرض کیا کہ فرنگی محل مین فلان بزرگ سے مین نے کہا تھا کہ میری بیٹی کی شادی کا کوئی سامان نہین ہوتا اور اسکے علاوہ غلام نے کچھ نہین کیا یہ سنکر نواب صاحب خاموش ہورہے اور شب کو اپنی مہراور قلمدان شیخ موصوف کے پاس بھجوایا کہ یہ چیزین موجود ہین جسکو چاہیے بادشاہ بنائیے (انوار رزاقیہ صفحہ ۴۷)

ایک شعبدہ باز واجد علیشاہ کے زمانہ مین ایک شخص لکھنؤ آیا اور اُسنے اپنے آپ کو عرب ظاہر کیا طرح طرح کے شعبدے دکھائے ایک دن اُسکو ایک کوٹھری مین بند کرکے مقفل کردیا لیکن قفل کھولنے پر وہ غائب تھا ایک آدمی اسکی جائے سکونت پر بھیجا گیا تو دیکھا کہ وہ وہان بیٹھا چپیسی کھیل رہا ہے۔ اسی طرح ایکبار ایک مکان مین ایک قنات کے اندر اُسنے کچھ عملیات کے زور سے تھوڑی دیر مین ایک سبو چہ غائب کردیا۔ ایکبار اسی نے ایک مہاجن کو یقین دلایا کہ دریا پار ایک مکان مین دفینہ ہے اسے کرایہ پر لے لو تو دفینہ برآمد کرا دونگا پھر مہاجن سے کئی ہزار روپیہ

حاضرات اور نذر و نیاز کے نام سے لیے مدتوں ٹالتا رہا ایک دن
جب اُسنے شدید تقاضا کیا تو اس سے کھچڑی پکوائی اور ایک ڈولی
منگوائی ایک کونڈہ مین کھچڑی بھر کے ڈولی مین رکھوا کے خود اور مہاجن
رات کو پیدل چلا راستہ مین چوراہے پر عرب نے تھوڑی سی کھچڑی رکھدی
اور وہان سے مٹی اٹھالی کچھ دور چلنے پر کہارون کو حیلہ سے اِدھر اُدھر
بھیجدیا جب مہاجن تنہا رہ گیا تو عرب نے کوئی افسون پڑھا اور
وہی چوراہے کی مٹی عرب نے مہاجن پر پھینک کر کہا کہ ٹھہر جا بس
اُسکی آنکھین بند ہو گئین عرب غائب ہو گیا مہاجن نے جب آنکھین
کھول کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا بہت تلاش کیا کچھ نشان نہ ملا (ذخیرۂ
جنگ بہادری صفحۂ ۱۰۷)

داستان گوئی

داستان گوئی اودھ کی سلطنت کے مشہور فنون مین سے ہے اسکے
چار فن ہین رزم - بزم - حسن - عشق و عیاری بظاہر اسکو ایک تضیع
اوقات کا ضمیمہ خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ غلط فہمی ہے یہ فن بہت
مفید فنون تفریحی مین تھا وقت دلچسپی اور لطف سے کٹ جانے کے
علاوہ اس سے جو بڑا فائدہ تھا وہ یہ تھا کہ باتون باتون مین ایسی

جنگی باتین اور طرح طرح کے تجربہ کی باتین سُنادی جاتی تھین جس سے
انسانی زندگی اور طرز معاشرت مین بڑی مدد ملتی تھی اور بچپن مین
داستان گوئی کے واقعات شجاعون کے بہادری کے کارنامون سے
مارشل اسپرٹ جنگی روح پیدا ہوتی تھی۔

منشی انبا پرشاد لکھنوی رسا تخلص کرتے تھے بعد قبول اسلام ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا تھا
یہ لالہ چندی پرشاد کے بیٹے اور مرزا تقی خان ہوس کے شاگرد تھے
داستان گوئی مین بےمثل تھے (اخبار الصنادید جلد دوم صفحہ ۲۰۶)

میر نواب لکھنوی باکمال داستان گو تھے۔

داروغہ غلام عباس واجدی عہد مین داستان گوئی کے ماہر تھے داستان گوئی مین فن حسن و
عیاری کو ایسا بیان کرتے کہ شاید و باید حسن کا نقشہ کھینچتے تو
معلوم ہوتا کہ انھین کا چہرہ حسن کی تصویر ہے اور بہت خوبصورت
نظر آنے لگتے۔

میر انور نواب آصف الدولہ اور نواب یمین الدولہ کے
عہد کے مشہور داستان گو تھے ان کے بیٹے سیدزادہ قاسم علی بھی
داستان گو تھے۔

ظرافت و بذلہ سنجی

بذلہ سنجی بھی تفریحی فنون مین ایک دلچسپ فن تھا یون تو یہ وقتی تفریح کا ایک ذریعہ ہوتا تھا دل بہلتا تھا صحبت اور بزم مین اس سے گرمی رہتی تھی لیکن اس مین اکثر سبق آموز باتین بھی ہوتی تھین ہزارون بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے جنکا ذکر خالی از طوالت نہین ہے صرف ایک دو کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

سیّد انشا کامل شاعر ہونے کے علاوہ بلا کے بذلہ سنج تھے۔

میان حسن خواجہ چشتیہ پیرزادے نواب یمین الدولہ کے وقت کے مشہور بذلہ سنج تھے۔

علاول خان پہلے کیسری سنگہ نام تھا اور یہ چھتر سنگہ بم ٹیلا ساکن برادون کا بیٹا تھا یہ عہد شاہی مین گذرا ہے نواب محمد خان والی فرخ آباد کے یہان عامل جلد جلد بدلتے تھے ایک بار نواب نے اسکو کسی پرگنہ کا عامل مقرر کر کے بھیجا جب علاول خان روانہ ہونے لگا تو گھوڑے کی دُم کی طرف

منھ کرکے بیٹھا نواب موصوف نے کہا کہ اِس مسخرے سے پوچھو
کہ اس طرح سوار ہونے سے اِس کا کیا مطلب ہے علاول خاں
نے کہا کہ مین دیکھتا ہون کہ میرے پیچھے کوئی دوسرا عامل تو مقرر
ہوکے نہین آتا ہے نواب پر اِس کا یہ اثر ہوا کہ اُسے ایکسال کے
لیے عامِل مقرر کیا (تاریخ فرخ آباد نوابانِ بنگش)

ختم شد

سیّد اسرار حسین خان
تحسین گنج لکھنؤ

اطلاع

باہتمام
مرزا مرتضیٰ حسین منیجر سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ مین چھپی
پبلشر: سید اسرار حسین خاں۔ محلہ تحسین گنج لکھنؤ

نوٹس

حیات واجد علیشاہ انشاء اللہ عنقریب شایع ہوگی۔

سنہ ۱۹۲۶ع